ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

فروری ۲۰۲۰

www.inzaar.pk

February 2020

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ماہنامہ
اِنذار

فروری 2020ء جمادی الثانی/رجب 1441ھ

جلد 8 شمارہ 2

فی شمارہ ___ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

ابو یحییٰ کے قلم سے

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

سردیاں، ماں باپ اور خدا

سردیاں آتی ہیں تو گھروں میں کمبل، لحاف اور رضائیاں نکل آتی ہیں۔ بچے چونکہ زیادہ نازک ہوتے ہیں، اس لیے مائیں ان کو اہتمام سے گرم کمبل میں ڈھانپ کر سلاتی ہیں۔ مگر بچے بچے ہوتے ہیں۔ رات کو کسی موقع پر اگر کمبل انھیں زیادہ گرم کردے تو وہ اسے اتار کر پھینک دیتے ہیں۔ یہ کام بڑے بھی کرتے ہیں، مگر ٹھنڈ لگنے پر وہ خود ہی کمبل اوڑھ لیتے ہیں، مگر بچے اپنی گہری نیند میں مدہوش، ٹھنڈ میں پڑے سکڑتے رہتے ہیں۔

ایسے میں ماں یا باپ میں سے کسی کی آنکھ رات کے کسی پہر کھلتی ہے اور وہ اپنے بچے یا بچی کو سردی میں کھلا ہوا دیکھتا ہے تو اسے فوراً کمبل سے ڈھانک دیتا ہے۔ ہر وہ گھر جہاں بچے ہوں، والدین سردیوں میں اسی تجربے سے گزرتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کے لیے یہ تجربہ خدا کی معرفت کا ایک زندہ ذریعہ بن جاتا ہے۔

ایسے لوگ جب رات کے پچھلے پہر اپنے بچے کو کمبل اڑھاتے ہیں تو ان کو یاد آجاتا ہے کہ وہ بھی خواہشات کی تپش کا شکار ہوکر تقویٰ کا لباس بار بار اتار پھینکتے ہیں۔ مگر ان کا رب اتنا کریم ہے کہ ان کے گناہوں پر ان کو دھتکارنے کے بجائے، ان کی غفلت پر انھیں لتاڑنے کے بجائے خاموشی سے انھیں توبہ کی توفیق دیتا ہے اور تقویٰ کا لباس ان کو دوبارہ پہنا دیتا ہے۔

یہ احساس ان کو تڑپا دیتا ہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگتے ہیں۔ وہ سراپا دعا بن جاتے ہیں کہ اے ہمارے شفیق رب! ہمارے مہربان آقا! ہم گناہ کرکے بھول جاتے ہیں، ہم غفلت کی نیند میں مدہوش ہوکر تیری رحمت کا کمبل اتار پھینکتے ہیں۔ مگر تو ہمیں نہیں بھولتا۔ ہمیں ننگا نہیں ہونے دیتا۔ کل قیامت کے دن کی رسوائی سے بھی ہمیں بچالے۔ یہ فریاد رات کے سناٹے کو چیر کر عرش تک پہنچتی ہے اور روز قیامت ان کی ہر رسوائی کو خدا کے قرب میں بدلنے کا سبب بن جاتی ہے۔

انسانی کھال اور انسانی باطن

انسان اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی خوبصورت تخلیق ہے انسان کو خوبصورت بنانے والی سب سے اہم چیز اس کی جلد ہے۔ کسی انسان کا تصور کیجیے جس کی جلد کسی حادثے میں جھلس گئی ہو، داغ دار ہوگئی ہو یا ان بزرگوں کو دیکھیے جن کی جلد پر بڑھاپے کی جھریاں پڑگئی ہوں۔ اس سے بڑھ کر انسان کا تصور بغیر جلد کے کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ انسانی جسم پر جلد کا ہونا، اس کا چکنا اور بے داغ ہونا اور اس کا خوبصورت رنگ ہی وہ چیزیں ہیں جو انسان کو دلکش اور پرکشش بناتا ہے۔ باقی ہر چیز ثانوی ہے۔

انسانی کھال کے نیچے جو کچھ ہے وہ جب جب خون یا فضلات کی شکل میں باہر آتا ہے تو انسان کے ذوق جمال پر ایک تازیانے کا کام کرتا ہے۔ انسان اس کو نہیں بدل سکتا۔ مگر انسانی کھال کے پیچھے ایک اور چیز ہے جسے بدلنا یا نہ بدلنا انسان کا اپنا اختیار ہے۔ یہ انسان کا باطن ہے ہے جو اس کی اصل شخصیت ہے۔ ہم ناشکری، تعصّبات، بداخلاقی اور دیگر برائیوں کو اپنا کر اس باطن کو مکروہ بھی بنا سکتے ہیں اور شکرگزاری، ایمان، اخلاق اور دیگر خوبیوں کو اپنا کر اس باطن کو خوبصورت بھی بنا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری کھال کی بنیاد پر نہیں دیکھتے بلکہ ہمارے باطن کی بنیاد پر دیکھتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ نیک لوگوں کے باطن کی بنیاد پر ان کے ظاہر کو تبدیل کردیں گے۔ ان کی شکل، ان کی جلد، ان کا ناک نقشہ، ان کا رنگ ہر چیز حسن و جمال میں ڈھل جائے گی۔ یہی نہیں بلکہ ان کی کھال کے پیچھے چھپا ہوا جسم بھی نور، مشک، زعفران اور ایسی ہی اعلیٰ چیزوں پر مشتمل ہوگا۔

اس کے برعکس اپنے باطن کو آلودہ کرنے والوں کا باطن مکروہ اور ظاہر مکروہ تر بنا دیا جائے گا۔ آگ ان کی شکلیں جھلس دے گی اور وہ بدصورتی کی علامت بن کر جہنم میں پڑے رہیں گے۔

جنگل کا قانون

کچھ عرصے پہلے کی بات ہے۔ملک میں سویلین سپرمیسی کے بحث اپنے عروج پر تھی۔اس طالب علم نے اس وقت بھی مختلف نشستوں اور مضامین میں یہ بات تواتر سے کہی تھی کہ ہمارا مسئلہ یہ نہیں کہ معاشرے میں سویلین بالادستی قائم نہیں ہے۔ اصل مسئلہ قانون کی بالادستی قائم کرنا ہے۔ ورنہ ہماری تاریخ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے کہ جن میں سویلین کے ہاتھوں میں طاقت آئی تو انھوں نے بھی بے قابو ہاتھی کی طرح تباہی مچادی۔

وکلا کا ہسپتال پر حملہ ہو، طلبا کا کسی خاتون افسر کا اس بات پر گھیراؤ ہو کہ اس کے منہ سے غلطی سے قادیانیوں کا ذکر مسلمان فرقوں کے ساتھ نکل گیا، جامعات میں بے گناہ طلبا کا مارے جانا ہو یا ان جیسے درجنوں اور واقعات ہوں جن پر ہمارے ہاں کہرام مچ جاتا ہے، ایک ہی حقیقت کا بیان ہیں۔ وہ یہ کہ اخلاق اور قانون کو بالادست ماننا ہماری تربیت کا حصہ نہیں رہا ہے۔

بدقسمتی سے ہم سب ان کرنٹ افیئر ز میں جیتے ہیں جو دو دن بعد کسی کو یاد نہیں رہتے۔ہم ہر مسئلے میں کسی گروہ یا فرد کو موردالزام ٹھہرا کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔کبھی فوج، کبھی سیاستدان، کبھی وکلا، کبھی ڈاکٹر یا کبھی مذہبی انتہا پسند۔ مسئلہ یہ گروہ نہیں، مسئلہ معاشرے میں سرائیت کر جانے والی وہ سوچ ہے جو اخلاق اور قانون کی بالادستی کو قبول نہیں کرتی ۔اگر معاشرے کی اصلاح کرنی ہے تو اس سوچ کے خلاف لڑنا ہوگا۔

اس جنگ میں سب سے پہلے ہمیں خود کو اخلاق اور قانون کا پابند بنانے کی کوشش کرنی ہوگی۔ پھر کسی گروہ یا فرد کو نشانہ بنائے بغیر اس سوچ کو نشانہ بنانا ہوگا۔ہمیں یہ اصول ہر شخص کو سمجھانا ہوگا کہ اخلاق کی پابندی اور قانون کی بالادستی کے بغیر معاشرے جنگل بن جاتے ہیں۔اور جنگلوں میں کوئی بھی محفوظ نہیں ہوتا۔ یہاں ہر درندہ کبھی نہ کبھی دوسرے درندے کی زد میں آ ہی جاتا ہے۔

قرآن مجید اور ہم

پچھلے دنوں ناروے میں قرآن مجید کو جلانے کا ایک واقعہ پیش آیا۔ احباب کا مسلسل تقاضا ہے کہ میں اس بارے میں کچھ لکھوں۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ اس واقعے کے حوالے سے کیا لکھوں؟ ان کے بارے میں لکھوں جو قرآن کو نہیں مانتے اور پھر اس کی بے حرمتی کے مرتکب ہوتے ہیں یا ان کے بارے میں لکھوں جو اس کتاب کو مانتے ہیں اور پھر بھی کلام اللہ سے بے وفائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

وہ کون لوگ ہیں جو کتاب اللہ کو برسوں ہاتھ لگانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے؟ وہ کون لوگ ہیں جو اس کتاب ہدایت کو پڑھتے ہیں، مگر کبھی اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے؟ وہ کون لوگ ہیں جن کی سیرت قرآن کے مطلوب انسان کے بجائے قرآن کے غیر مطلوب انسان کا نقشہ پیش کرتی ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جو قرآن کی دعوت ایمان و اخلاق کے بجائے اپنی خواہشات اور مفادات کے تحت زندگی گزارتے ہیں؟ وہ کون لوگ ہیں جو اپنے معتقدات، تعصّبات، نظریات اور خیالات کو اپنے رجحانات کے تحت قرآن سے باہر کھڑے ہو کر طے کر لیتے ہیں اور پھر اپنی گمراہیوں، ضلالتوں اور بدعتوں کے لیے قرآن مجید سے دلائل ڈھونڈتے پھرتے ہیں؟

ایسے سارے بے وفا لوگ سن لیں کہ روزِ قیامت ان کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب کے حضور یہ مقدمہ پیش کریں گے کہ یَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوراً ۔ یہی وہ رویہ ہے جسے دوسرے مقام پر قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ انھوں نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں، (البقرہ 2:101)۔

جہاں قرآن پر ایمان کے نام پر ایسے بے وفا لوگوں کی بھیڑ جمع ہو وہاں کس کے پاس وقت ہے کہ منکرین کے ہاتھوں قرآن کے جلائے جانے کے واقعے پر تبصرہ کرتا پھرے۔

خدا کی سزائیں

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالامتحان بنایا ہے۔ یہ آنے والی آخرت کی دنیا ہے جس میں وہ لوگوں کے اعمال کی جانچ کر کے ان کے اعمال، حالات، محرکات کے لحاظ سے ان کے لیے حتمی سزا یا جزا کا فیصلہ کریں گے۔ تاہم اس اصول سے دو چیزیں استثنا ہیں۔ ایک کسی قوم کی طرف اس کے رسول کی بعثت جس کے کفر کی پاداش میں اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ دوسرے شریعت میں مقرر کردہ وہ سزائیں جو قتل و جراحت، فساد فی الارض، چوری، زنا اور تہمت جیسے جرائم کی پاداش میں دی جاتی ہیں۔

دور حاضر میں ان دونوں قسم کی سزاؤں کے بارے میں کچھ سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔ پہلی قسم کی سزا کے بارے میں یہ اخلاقی سوال کیا جاتا ہے کہ جب ایسی اقوام پر عذاب آیا تو قوم کے بالغ لوگوں کے ساتھ چھوٹے بچے بھی عذاب کی زد میں آ گئے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چھوٹے بچے گرچہ ایسے عذابوں میں والدین کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں، مگر ان پر عذاب نہیں بلکہ موت کے تکوینی قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ موت کسی بچے، بڑے کو کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ چنانچہ بچوں کی موت اگر موت کے اصول پر آئی ہے تو اس پر کوئی اخلاقی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک پہلو سے دیکھا جائے تو یہ خدا کی رحمت کا ظہور ہے کیونکہ موت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بچوں کو ان کے والدین کے نقش قدم پر چلنے سے بچایا اور ساتھ ہی بے سہارا بچوں کو داغِ یتیمی سے محفوظ رکھ کر ان کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ یہ موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں بلکہ فیصلہ کن مرحلہ حیات میں داخل ہو جانے کا نام ہے۔ چنانچہ ان کے والدین تو اپنے کفر کی پاداش میں جہنم رسید ہوں گے مگر یہ بچے جنت میں خدا کی رحمت میں رہیں گے۔

شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں کے بارے میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ بہت سخت سزائیں ہیں۔ مثلاً چور کے ہاتھ کاٹنا اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک انتہائی سخت سزا ہے۔ اخلاقی طور پر ایسی کسی سزا کی توجیہ کرنا مشکل ہے۔ یہی معاملہ زنا کی سزا کا ہے۔ جبکہ سزائے موت کے خلاف بھی دنیا بھر میں ایک ردعمل پیدا ہو رہا ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں ہمارا مقدمہ یہ ہے کہ جرم کی سزا دینا خود ایک اخلاقی تقاضا ہے۔ اس پر تو عقل و فطرت کی روشنی میں کوئی بحث نہیں ہوسکتی۔ جو بحث البتہ ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی جرم پر دی جانے والی سزا کم ہے یا زیادہ ہے۔ اعتراض اگر زیادہ سزا پر کیا جاسکتا ہے تو کم سزا پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ گویا ایک ختم نہ ہونے والی بحث ہے جس میں فریقین کے پاس لامحدود دلائل ہوسکتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس ختم نہ ہونے والی بحث کے باب میں ایک فیصلہ کن بات کہی ہے۔ وہ یہ کہ کوئی مجرم مثلاً چور جب اس طرح چوری کرے کہ اس کا یہ عمل کسی اتفاق، اضطرار اور استثنائی واقعے کے بجائے اس کا مستقل پیشہ بن چکی ہو اور اس نے لوگوں کی راتوں کی نیندوں کو حرام کر دیا ہو تو اس جرم کی پاداش میں اس کی سزا ہاتھ کاٹنے کی شکل میں متعین کر دی ہے۔ یہ اس مسلمان کی سزا ہے جسے ذمہ داری دی گئی تھی کہ وہ اپنے رویے سے لوگوں کو جنت کا تعارف کرائے۔ مگر اس نے خدا کے بندوں کی نیندیں چھین لیں تو اس کا ہاتھ کاٹ کر اسے خدا کی پکڑ اور جہنم کی سزا کا ایک چلتا پھرتا نشان بنا دیا گیا۔ اب وہ توبہ کرتا ہے تو آخرت میں اسے معاف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن دنیا میں اسے عبرت کا نشان بنا دیا جائے گا تاکہ وہ خدا کی پکڑ کا زندہ تعارف بن جائے۔

تاہم یاد رہے کہ یہ سزا اس جرم کی زیادہ سے زیادہ سزا ہے۔ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات اگر کسی رعایت کا تقاضا کرتے ہوں یا پھر یہ جرم کسی اتفاق، اضطرار یا استثنائی واقعے کا

ظہور ہو؛ ان تمام شکلوں میں یہ قاضی کی صوابدید ہوگی کہ وہ مجرم کی سزا میں جس طرح چاہے رعایت کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے گویا زیادہ سے زیادہ سزا کا تعین کر دیا ہے۔ کم سے کم سزا کا فیصلہ قاضی کسی خاص کیس میں خود ہی کر سکتا ہے۔

اس حوالے سے ایک اور بحث آخرت کی سزا کے بارے میں اٹھائی جاتی ہے کہ وہاں کی ہر سزا جرم کے تناسب سے کہیں زیادہ ہے۔ اس حوالے سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطابق آخرت کی انتہائی سزا جزا کے متعلق اس امتحان میں انسانوں کو اترنے سے پہلے متنبہ کر دیا گیا تھا۔ مگر انسانوں نے اپنی مرضی سے انتہائی جزا کی امید پر اس انتہائی سزا کے امکان کو قبول کر لیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس دنیا میں کیا جانے والا کوئی بھی جرم اور اسی طرح نیکی بھی اپنے اثرات کے لحاظ سے بہت دور اور آگے تک جاتی ہے۔ مگر اس دنیا کی محدودیت کی بنا پر یہ ممکن ہی نہیں کہ مکمل سزا یا جزا دی جا سکے۔ آخرت کی دنیا میں جب سب انسان اور ان کا مکمل نامہ اعمال موجود ہوگا تو جرم کی اصل سنگینی سامنے آئے گی۔ یہ سخت ترین سزائیں اسی انتہائی سنگین اور دوررس اثرات کا بدلہ ہوں گی۔

تیسری بات یہ ہے کہ بعض جرائم کا ارتکاب خدا کے خلاف کیا جاتا ہے۔ خدا کی لامحدود عظمت اس کا معمولی سا بدلہ بھی دیتی ہے تو وہ انسانوں کے لیے بہت سنگین سزا بن جاتی ہے۔ گویا خدا کی طرف سے سزا تو بہت معمولی ہوگی، مگر انسان کے لیے بہت زیادہ ہو جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اخلاقی ہستی ہیں۔ اخلاقیات کا سارا شعور انسانوں میں انھی کی طرف سے آیا ہے۔ ان کا کوئی کام اخلاقی مسلمات کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ البتہ انسان ہر دور میں افراط و تفریط کا شکار رہے ہیں۔ ان کے اخلاقی معیارات بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی روشنی میں خدا کو جانچنا ایک غلطی ہے۔ درست رویہ یہ ہے کہ خدا کے معیارات پر انسانوں کی تصحیح کی جائے۔ آج قرآن مجید یعنی غیر محرف کلام الٰہی کی موجودگی میں یہ کام ہر دور سے زیادہ آسان ہو چکا ہے۔

نصف صدی کا قصہ

پچاس برس کی مدت کہنے کو بہت طویل لگتی ہے۔ بقول حفیظ

یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

مگر یہ طویل مدت بھی گزر رہی گئی اور اب لگتا ہے کہ بس صبح و شام کا قصہ تھا اور کچھ نہیں۔ لَمْ یَلْبَثُوا إِلَّا عَشِیَّةً أَوْ ضُحَاهَا۔

اپنے متعلق لکھنا شاید سب سے مشکل کام ہے۔ جو شخص جانتا ہو کہ کراماً کاتبین نے داستان حیات کے ہر ورق پر غفلت اور معصیت کی سیاہی کو نقش کررکھا ہے، وہ اپنے بارے میں کچھ لکھنے کی ہمت کہاں سے لائے؟ مگر پچاس کے بعد جب موت زندگی سے زیادہ قریب ہو جاتی اور حسن عمل کی طاقت گھٹتی چلی جاتی ہے تو بندہ عاجز کے پاس اس کے سوا اور کیا راستہ ہے کہ ایک کریم کی باحیا نگاہوں سے اپنے اوراق زندگی کو دیکھے۔ اُس کریم کا علم نگاہ کی ہر خیانت اور دل کے ہر راز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، مگر اُس کی نگاہوں میں اتنی حیا ہے کہ بدکاری کی سیاہی سے لکھی گئی ہر سطر سے غض بصر کرکے گزر جاتا ہے۔ بس انھی باحیا نگاہوں پر ہر بے حیا کی نجات منحصر ہے۔ عمل نہ پہلے کوئی پاس تھا، نہ آئندہ ہی اپنی سوئے استعداد کی بنا پر کوئی امید نظر آتی ہے۔

پچاس برس کی تقسیم تو دس طرح ہوسکتی ہے، مگر موٹی تقسیم بیس اور تیس کی ہے۔ بیس برس تک حالات اور واقعات چکی کے دو پاٹوں کی طرح زندگی کو اپنے انداز میں پیستے رہے۔ باقی داستان کو چھوڑ دیجیے بس شعور کی عمر کو پہنچ کر یہ احساس ہوگیا کہ جو کچھ ہے ٹھیک نہیں ہے۔ اگلے تیس برس اسی ''ٹھیک'' کی تلاش میں گزرے۔ اور اب عمر رفتہ کے پچاس برس گزارنے کے بعد بس یہی ایک اطمینان ہے کہ یہ ''ٹھیک''، یہ حق اور یہ سچ پوری طرح جان چکا ہوں۔

دکھ صرف اتنا ہے کہ جب تک اس ''ٹھیک'' کا علم ہوا، اعضا و قویٰ ساتھ چھوڑنے لگے۔

میرے احباب تیس برس کے سفر میں یہ کہہ کر مجھے سمجھاتے رہے

you are burning the candle from both ends.

مگر شمع دو طرف سے نہ جلتی تو شاید یہ ''ٹھیک'' کبھی دریافت نہ ہو پاتا۔ یہی زندگی کو اس بے طرح گزارنے کا واحد عذر ہے۔ یہ ''ٹھیک'' کیا ہے...... اسے چند سطروں میں کیا بتاؤں؟ یہ تو حاصل زندگی ہے۔ یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو کائنات کے ہر راز کو فاش کرنے، زندگی کی ہر الجھن کو سلجھانے، انسانیت کے ہر اندھیرے کو روشنی میں بدلنے، امت کے ہر مسئلے کو حل کرنے ،قوم کے ہر زوال کو عروج میں بدلنے والا نور یزدانی ہے۔

جو چیز مجھے تیس برس بعد ملی وہ گھاس کے ڈھیر میں کھوئی ہوئی کوئی سوئی نہ تھی۔ یہ تو سر بام روشن ایک چراغ تھا۔مگر علم کی دنیا کا یہ مسئلہ ہے اس میں روشن چراغ نظر نہیں آتے۔ یہاں نکتہ آفرینی کی مانگ ہے۔ جز کو کل سمجھا جاتا ہے۔ رائی کا پربت بنایا جاتا ہے۔ کرن کو سورج سمجھا جاتا ہے۔ہم بھی اسی کارِلا حاصل میں الجھے رہے۔ پھر بھی صد شکر ہے کہ موت سے قبل یہ روشنی پالی۔ کتنے ہیں......اور بے گنتی ہیں جو ایسے ہی دنیا سے چلے گئے۔

اس روشنی کو سمجھنے کے لیے خالق کا طریقہ تخلیق سمجھنا ضروری ہے۔خدا نے جو کائنات بنائی ہے اس میں ہر سمت رنگا رنگ نظارے اور لا تعداد رنگ ہیں،مگر بنیادی رنگ تین ہی ہیں۔اس دنیا میں اربوں انسان ہیں۔ ہر اک کا چہرہ مختلف ہے۔مگر ناک، کان، آنکھ، منہ،ٹھوڑی، پیشانی اور بالوں کی بہت سادہ بناوٹ سے انسانی چہرے کے ختم نہ ہونے والے نقش تخلیق پاتے ہیں۔کائنات میں لامحدود مظاہر اس مادے کی کارفرمائی ہیں جو الیکٹرون، پروٹان اور نیوٹران کے بنیادی اور سادہ اجزا کی پیچیدہ ترکیب کے سوا کچھ نہیں۔سب چھوڑیے کمپیوٹر کی یہ دنیا جس نے کل دنیا کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے، یہ جس نظام پر چلتی ہے وہ صرف دو اعداد یعنی صفر اور ایک

کی سادہ حقیقت سے جنم لیتی ہے۔

خدا کی ہر پیچیدہ تخلیق کے پیچھے یہی سادہ چیزیں ہیں جنھیں سمجھ لیا جائے تو مصور ہر رنگ بنالیتا، سنگتراش ہر چہرہ تراش لیتا اور سائنسدان مادے کی ہر الجھن کو سلجھالیتا ہے۔ انسانی معاشروں اور افراد کی ہر پیچیدگی کے حل کے لیے بھی خالق نے اسی سادہ تخلیقی منصوبے کو قرآن مجید کا موضوع بنادیا ہے۔ ایمان اور اخلاق اور بس۔ یہی زندگی کے ہر مسئلے کا حل ہے۔ مگر جس بات کو مصور، سنگ تراش اور سائنسدان سمجھ لیتا ہے، فلسفی اور عالم نہیں سمجھ پاتا۔ وہ ہر پیچیدگی کو کسی پیچیدہ تر طریقے سے حل کرنا چاہتا ہے۔ یہی افراد اور انسان کی بے سکونی کا اصل سبب ہے۔

قرآن کے اس سادہ ترین فارمولے کو ماننا، اس کو ہر چیز سے زیادہ اہم سمجھنا، دینی فکر میں اس کو اس کا مقام دلوانا اور اسی کی بنیاد پر افراد کی تربیت کرکے ان کی شخصیت کا تزکیہ کرنا وہ ''ٹھیک'' تھا جسے سمجھنے میں تیس برس لگے۔ اس ''ٹھیک'' کے نتیجے میں جنم لینے والے افراد جس گھر میں ہوں وہ گھر اور جس معاشرے میں ہوں وہ معاشرہ فلاح پا جاتا ہے۔

مگر اب جب یہ راز سمجھ میں آ گیا ہے تو اندازہ ہوا کہ جسم ساتھ چھوڑنے لگا ہے۔ اسی ناتواں وجود کے ساتھ قرآن مجید کی بنیاد پر اس کام کی علمی اور فکری اساسات کو مرتب کر کے اسے ایک منظّم انداز میں ضبط تحریر میں بھی لے آیا ہوں۔ تعلیمی کورسز میں بھی بدل رہا ہوں۔ مگر اس راز کو لوگوں سے منوانا اور مذہبی فکر میں اس کا درست مقام دلوانا ایک پوری جنگ ہے۔ اس کو افراد کی شخصیت کا حصہ بنانا ایک اور جنگ ہے۔ پچھلے تیس برس میں شمع کو دونوں طرف سے جلانے کے بعد اب زندگی کی جنگ لڑنا مشکل ہو رہا ہے کجا یہ کہ خارج میں کوئی جنگ لڑی جائے۔ مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اس راز کو جاننے کے بعد سیاسی جھگڑوں، فنی موشگافیوں اور بحث و جدال کی ان لایعنی گھاٹیوں پر چڑھنے کی کوئی خواہش نہیں رہی ہے جن گھاٹیوں کو عبور کرنے کی کوشش

میں میری قوم وملت کے اہل علم ودانش کی زندگی بسر ہورہی ہے۔

اس لیے باقی زندگی جتنی بھی ہے، اسی راہ میں وقف ہے۔اسی سادہ بات کے فروغ کے لیے...... جس کے بارے میں کسی کو یقین نہیں آتا کہ یہ فرد وانسانیت کے سارے مسائل حل کرسکتی ہے۔زندگی اور موت کے مالک سے یہی فریاد ہے کہ باقی زندگی کا ہرلمحہ وہ اس راہ میں قبول کرلے اور کبھی اس راستے سے پاؤں نہ ڈگمگائیں کہ ہر دوسرا راستہ خدا سے دور کردینے والا ہے۔

پچھلے تیس میں سے بیس برسوں میں فکری جدوجہد کے ساتھ کینیڈا سے پاکستان لوٹ کر ایک عملی جدوجہد بھی شروع کردی۔جدوجہد کی اس راہ میں جو گزری اس کا احوال کیا بتائیں؟ بس بتانے کی چیز خدا کا یہ کرم ہے کہ اس نے وہ احباب عطا کردیے جو اس کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔مگر یہ کام اتنا بڑا ہے کہ اس کے لیے چند لوگ ہرگز کافی نہیں۔اس کے لیے اور بہت لوگوں کی ضرورت ہے۔کاش ایمان واخلاق کی اس دعوت کو وہ اعلیٰ انسان مل جائیں جو صحابہ کرام کی طرح کل عالم میں اس پیغام کو پہنچادیں۔

میری یہ تحریر اصلاً ایک دعوت ہے۔وہ دعوت جو کبھی خود اس فقیر نے قبول کی تھی۔تیس برس کے اس سفر کے آغاز میں اس عاجز نے پہلے مرحلے پر الحاد سے خدا تک کا سفر کیا تھا۔پھر خدا سے اس راہ میں جو مانگا وہ دیتا رہا۔جو پہلی چیز اس سے مانگی تھی وہ یہ تھی کہ وہ مجھے ان لوگوں تک پہنچادے جو باقی سفر میں منزل کی طرف رہنمائی کریں۔

پھر دل کو تعصب کی ہر رمق سے پاک کرکے ہر در کھٹکھٹایا اور ہر پتھر کو الٹ دیا۔اس کے بعد خدا نے دو لوگوں تک پہنچایا۔ان دو میں سے پہلے نے ایک واقعہ کہیں لکھا تھا۔یہ تحریر پچھلے کئی عشروں میں میرے لیے ایک یاددہانی بنی رہی۔

وہ کہتے ہیں کہ سائنسدانوں نے پوٹاشیم سائنائڈ کا ذائقہ جاننا چاہا۔ یہ وہ زہر ہے جو لمحہ بھر میں انسان کو ختم کر دیتا ہے۔ ایک رضا کار نے خود کو پیش کیا۔ زہر زبان پر رکھا اور قلم ہاتھ میں اٹھایا۔ مگر ابھی S ہی لکھا تھا کہ وہ مر گیا۔ مسئلہ حل نہیں ہوسکا کہ انگریزی میں S کے حرف سے Salt بھی آتا ہے اور Sugar بھی۔ چنانچہ ایک اور رضا کار آیا۔ اس نے دوبارہ زہر کھایا اور قلم سے A لکھ دیا۔ یوں معلوم ہوگیا کہ اس کا ذائقہ نمکیلا ہے۔

جب یہ واقعہ پڑھا تو طے کر لیا تھا کہ دوسری دفعہ زہر کھانے والا میں بنوں گا۔ مگر تیس برس کی مدت کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ دوسری دفعہ زہر کھا کر بھی مسئلہ وہیں کا وہیں ہے۔ سچائی دریافت ہوگئی ہے۔ یعنی ایمان و اخلاق کے سادہ ترین حقائق ہر بند تالے کی چابی ہیں۔ مگر اس حقیقت کے ابلاغ، اس کو مسلمانوں کے فکر میں اہم ترین چیز بنانے اور اس کی بنیاد پر تربیت کا ایک نظم قائم کرنے کی جنگ میں اب کئی لوگوں کو زہر کھانا ہوگا۔

یہ تحریر ایک دعوت ہے جو اس امید پر لکھی گئی ہے کہ شاید مادیت، غفلت اور تعصب کے اس سیلاب میں کوئی سچا خدا پرست یہ زہر کھا کر اس جنگ کے لیے اٹھ جائے جو قیامت سے پہلے اس دھرتی پر لڑی جانے والی آخری جنگ ہوگی۔

سلسلہ روز شب

ابو یحییٰ

ارطغرل ڈرامہ اور مسلمان

تاریخ اور اسباقِ تاریخ

کہا جاتا ہے کہ تاریخ قوموں کا حافظہ ہوتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی زندگی میں ان کی تاریخ کا کردار اس سے کہیں زیادہ اہم ہوتا ہے۔ یہ ان کے لاشعور، قومی مزاج اور نفسیات کی صورت گری میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

تاہم اس طالب علم کے نزدیک کسی قوم کی تاریخ سے کہیں زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ اس کے دانشور اور اہل علم قوم کو تاریخ کس زاویے سے دکھاتے ہیں۔ وہ اوراق تاریخ سے کس طرح کے اسباق اخذ کر کے قوم کی نفسیات کی تشکیل کرتے ہیں۔ اور ماضی کو حال سے کس طرح متعلق کرتے ہیں۔

یہ وہ پس منظر ہے جس میں اس طالب علم نے اپنی مصروفیات اور ذمہ داریوں سے وقت نکال کر ارطغرل نامی اس ڈرامے کو دیکھا جو ترکی کے سرکاری ٹی وی چینل ٹی آر ٹی کی پیشکش ہے اور اس ادارے کے ڈپٹی ڈائریکٹر کے مطابق اب تک 78 سے زائد ممالک میں یہ ڈراما سیریز دیکھی جارہی ہے اور اس میں مستقل اضافہ ہورہا ہے۔

ہمارے ملک میں اس سیریز کا پہلا سیزن ایک پرائیوٹ چینل نے اردو ڈبنگ کے ساتھ پیش کیا تھا۔ جبکہ حال ہی میں وزیراعظم عمران خان نے پی ٹی وی کو ہدایت کی ہے کہ اس ڈرامے کو اردو ڈبنگ کے ساتھ دکھایا جائے۔ تاہم اس وقت بھی یہ ڈراما سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر اردو سب ٹائٹل کے ساتھ دستیاب ہے۔

ارطغرل ڈرامے کی خصوصیات

تاریخ سے میری دلچسپی کی بنا پر میرے بڑے بھائی نے کئی برس قبل مجھ سے یہ اصرار کیا تھا کہ اس ڈرامے کو ضرور دیکھوں۔ مگر اس طرح کے ڈرامے اتنی زیادہ اقساط پر مشتمل ہوتے ہیں کہ ان کے دیکھنے کے لیے وقت نکالنا عملاً میرے جیسے شخص کے لیے ناممکن ہے۔ مگر اتفاق سے پچھلے دنوں کچھ وقت ملا تو اس ڈرامے کے ابتدائی تین سیزن دیکھ لیے۔ یہی وہ وقت تھا جس میں وزیر اعظم کا اعلان سامنے آیا کہ اس ڈرامے کو سرکاری ٹی وی پر دکھایا جائے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کچھ ہی عرصے میں عوامی سطح پر یہ ڈرامہ بڑی تعداد میں دیکھا جائے گا۔ چنانچہ یہ محسوس ہوا کہ اپنے نتائج فکر اس حوالے سے قارئین کے سامنے رکھوں جو اوپر بیان کیے ہیں کہ تاریخ سے زیادہ اہم چیز یہ ہوتی ہے کہ تاریخ کو کس زاویے سے دکھایا جا رہا ہے۔

اطغرل ڈرامہ کمرشل پہلو سے ایک بہت کامیاب ڈرامہ ہے۔ اس طرح کے طویل ڈراموں میں ناظرین کی دلچسپی برقرار رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ دنیا بھر میں اس کا ایک طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ایسی ٹی وی سیریز میں عریاں اور فحش مناظر کی بھرمار کر دی جائے۔ جہاں یہ ممکن نہ ہو وہاں خواتین کے نیم عریاں لباس کو لازماً شامل کیا جائے۔ اس سے ناظرین کی ایک بڑی تعداد دلچسپی سے ایسی سیریز دیکھتی ہے۔

ارطغرل ڈرامہ چونکہ مذہبی پس منظر میں بنایا گیا اور یہ ترکی کی اسلام پسند حکومت کے سرکاری چینل پر نشر کیا جانا تھا، اس لیے اس میں نہ کوئی فحش منظر ہے اور نہ خواتین کے لباس میں کسی قسم کی عریانی کا کوئی پہلو شامل کیا گیا ہے۔ یہ بلاشبہ ایک قابل تحسین چیز ہے، مگر ظاہر ہے کہ ڈرامے کو ناظرین کے لیے پرکشش بنانا تھا۔ اس مقصد کے لیے ڈراموں کو مقبول بنانے کے دو مزید طریقے اختیار کیے گئے۔ پہلا یہ کہ ڈرامے میں جنگ و جدل کے مناظر کو کثرت سے دکھایا

گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ ناظرین کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے ڈرامے کی کہانی میں غداروں، ان کی چالوں اور سازشوں سے نت نئے موڑ لا کر ڈرامے میں سنسنی کا عنصر برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان دونوں چیزوں نے مل کر ڈرامے میں سسپنس اور تھرل جیسے عناصر کو جمع کر دیا ہے جو کسی بھی ڈرامے یا کہانی کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ اداکاروں کی اداکاری، ہدایت کاری، لوکیشن، فلمبندی اور دیگر تکنیکی چیزیں بھی اچھے معیار کی ہیں۔ ان سب چیزوں نے مل کر اس ڈرامے کو ایک معیاری اور مقبول ڈرامہ بنا دیا ہے۔

مگر ان سب چیزوں سے بڑھ کر اس ڈرامے کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں لوگوں کی کردار سازی پر بہت توجہ دی گئی ہے۔ دینی اور اخلاقی تعلیمات کو مستقل ڈرامے کا حصہ بنایا گیا ہے۔ خدا سے تعلق، دین سے محبت اور امت کے لیے دردمندی کے جذبات بارہا دکھائے گئے ہیں جو اعلیٰ روحانی اور اخلاقی اوصاف ہیں۔ ساتھ ہی دین اسلام کو انسانیت کی فلاح اور عدل و انصاف کے واحد راستے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ایک تاریخی حقیقت کی وضاحت

آگے بڑھنے سے قبل ایک تاریخی حقیقت کو واضح کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ارطغرل کے بارے میں جو تاریخی حقائق معلوم ہیں وہ بہت کم ہیں اور جو کچھ معلوم ہے وہ زیادہ تر افسانوی داستانیں ہیں۔ ان سب کو ملا کر جو تفصیل سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ارطغرل کا تعلق ان خانہ بدوش ترک قبائل میں سے ایک قبیلے قائی سے تھا جو تاتاریوں کی تباہ کاریوں سے گھبرا کر پناہ کی تلاش میں موجودہ شام اور ترکی کے علاقوں کی طرف آ رہے تھے۔ راستے میں ارطغرل کو دو فوجوں میں جنگ ہوتی نظر آئی۔ اس نے اپنے چار سو کے لگ بھگ سپاہیوں سمیت کمزور گروہ کی مدد کی

اور دوسرے گروہ کوشکست دے دی۔

یہ کمزور گروہ ترکی میں قائم رومی سلجوق حکومت کے سلطان علاء الدین کا لشکر تھا اور دوسرا طاقتور گروہ منگول حملہ آور تھے۔ چنانچہ سلطان نے خوش ہوکر اسے سغوت کا علاقہ بطور جاگیر دے دیا جو بازنطینی سلطنت سے متصل تھا۔ یہ علاقہ ایک مستقل جنگی محاذ تھا اور اس کے بعد اس کی باقی زندگی انھی لوگوں کے ساتھ جنگ وجدل کر کے اپنے علاقے کو وسعت دیتے ہوئے گزری۔ اس پوری جدوجہد میں کوئی ایک آدھ ہی جنگ ہوگی جو تاریخ کے اوراق پر ریکارڈ ہوسکی۔ ورنہ ارطغرل کی زندگی کے بیشتر واقعات پر تاریخی طور پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ اتنی مجمل معلومات کے ساتھ جو ڈراما بنایا گیا ہے اس کا واقعاتی تفصیل کے لحاظ سے بیشتر حصہ فکشن پر مشتمل ہونا ناگزیر تھا۔ خود اس ڈرامے کے آغاز پر ہر قسط میں ترکی زبان میں یہ بات واضح کر دی جاتی ہے کہ اس ڈرامے میں بیان کردہ تمام حکایات وواقعات اور کردار تاریخ سے متاثر ہوکر تخلیق کیے گئے ہیں۔ چنانچہ جو ڈرامہ دراصل دکھایا جارہا ہے وہ اپنی تفصیل میں ایک فکشن ہی ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو اس میں تاریخ ہی غلط بیان کر دی گئی ہے۔ مثلاً تیسرے سیزن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ارطغرل کی مسیحیوں سے ایک جنگ کے موقع پر سلطان علاء الدین نے اس کے گروہ کی مدد کر کے انھیں شکست سے بچا کر مسیحیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جبکہ تاریخی طور معاملہ اس کے برعکس ہوا تھا۔ یہ ارطغرل تھا جس نے ایک مشکل موقع پر سلطان کی مدد کر کے دشمنوں کو شکست دی تھی۔ تاریخ دان اس پر تو اختلاف کرتے ہیں کہ وہ گروہ منگول تھا یا مسیحی مگر اس پر اختلاف نہیں کہ مدد ارطغرل نے کی تھی اور اسی کے صلے میں اسے سغوت کی جاگیر دی گئی تھی۔

تاہم اس تفصیل کے بیان کرنے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ یہ ڈراما ارطغرل کی حقیقی زندگی سے زیادہ اس بات کا بیان ہے کہ اس وقت اسے پیش کرنے والے تاریخ کو کس طرح بیان کرنا چاہ

رہے ہیں ۔اور یہ کہ وہ تاریخ سے کس طرح کے اسباق اخذ کر کے لوگوں کی ذہن سازی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ذہن چونکہ معاصر مسلمانوں کا ذہن ہے اس لیے بدقسمتی سے اس میں وہ ساری کمزوریاں موجود ہیں جن کی بنا پر مسلمان دورحاضر میں اپنے زوال مسلسل سے نہیں نکل پا رہے۔

اس پس منظر میں یہ طالب علم ڈرامے کے انھی پہلوؤں کا تجزیہ کرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ بعض طبیعتوں پر یہ تجزیہ گراں گزرے، مگر ایسے احباب سے بزبان اقبال یہی درخواست کی جاسکتی ہے۔

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

ہیرو پرستی کے بجائے افراد کی تربیت اور افکار کی تطہیر

اس ڈرامے کا مرکزی خیال عصر حاضر کے مسلمانوں کا ایک پسندیدہ تصور ہے۔یعنی مسلمانوں کے لیے اندرونی خلفشار، بیرونی خطرات، مسلسل زوال اور شکستوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ایک عظیم لیڈر آئے جو آ کر سب کچھ ٹھیک کردے۔ارطغرل کو ڈرامے میں اسی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایک عظیم لیڈر کے ہاتھوں سب کچھ ٹھیک ہوجانے والی یہ بات تو زمانہ قدیم میں بھی مکمل طور پر درست نہ تھی، مگر زمانہ قدیم کے دور بادشاہت میں اس بات میں جو تھوڑی بہت سچائی تھی وہ بھی اب دم توڑ چکی ہے۔

یہ زمانہ سماجی طاقت کا زمانہ ہے۔ یہ سماجی طاقت اس وقت جنم لیتی ہے جب معاشرے میں اور خاص طور پر اس کی مڈل کلاس اور اشرافیہ میں تربیت یافتہ افراد قابل قدر تعداد میں موجود ہوں۔ وہ اخلاقی طور پر حساس ہوں۔ وہ تعصّبات سے بالاتر مختلف آراء سننے، اس پر غور کرنے اور اپنے افکار کی تطہیر کرنے کا ہنر جانتے ہوں۔کوئی فرد واحد قوموں کی تقدیر نہیں بدلتا نہ بدل سکتا

ہے۔کوئی بڑا لیڈر کبھی سامنے آتا بھی ہے تو اس کے پیچھے بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو خاموشی سے قوم کی تربیت اور اس کے ساتھ تعاون کا فریضہ سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔

ترکی کی مثال

ترکی ہی کو لے لیں جہاں ہمیں اردگان کی شکل میں بظاہر ایک ایسا سیاسی لیڈر نظر آتا ہے۔ مگر کم لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ اردگان سے پہلے ایک پوری فکری جدوجہد ہے جو کم وبیش ایک صدی تک کی گئی ہے اور اسی جدوجہد نے کمال اتاترک کی مذہب مخالف سوچ کے باوجود ترکی کے لوگوں میں دینی روح اور اسلامی اخلاق کو زندہ رکھا۔ بدیع الزماں سعید نورسی (1871-1960) اور فتح اللہ گولان (پیدائش 1941) جیسے مصلحین اور ان کی تحریکوں نے عشروں تک کمال اتاترک کے اسلام مخالف جبر کے باوجود ترکی قوم کو اسلام سے نہ صرف دور نہیں ہونے دیا بلکہ ان کی کردار سازی کرتے رہے۔گرچہ گولان کا طیب اردگان سے بعد ازاں سخت اختلاف سامنے آیا مگر اس سے قطع نظر ان اصلاحی تحریکوں نے عوام میں وہ روح پھونک دی جس نے ایک اچھی قیادت کو کام کرنے کے لیے مواقع، مددگار ٹیم اور معاشرے میں اپنے حمایتی فراہم کیے بلکہ مجموعی طور پر معاشرے کی اخلاقی روح کو زندہ رکھا۔اس لیے یہ صرف کہانیوں کی باتیں ہیں کہ معاشرہ تو جھوٹ، منافقت، بددیانتی پر کھڑا ہوا اور ایک لیڈر آکر قوم کی قسمت بدل دے۔حقیقت کی دنیا میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔

پھر مزید یہ کہ یہ دور بادشاہت کا نہیں جس میں ایک سردار اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کی مدد سے اقتدار پر قبضہ کرلے اور پھر معاشرے کو اپنے رنگ میں رنگ دے۔آج کے دور میں کوئی غاصبانہ طریقے سے آئے یا جمہوری طریقے سے آئے، اس کے ساتھ سماج نہیں تو اسے بدترین سمجھوتے کرنے پڑیں گے۔ہم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے اپنے ملک میں ہوتے دیکھا ہے۔پہلے ضیاء

الحق کو دیکھا جن پر ذاتی حیثیت میں مالی کرپشن کا کوئی الزام نہیں لگا، مگر اپنے غیر جمہوری اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے انھوں نے ملک کو کرپشن کے جہنم میں دھکیل دیا۔ جمہوری مثال ہمارے موجودہ وزیر اعظم کی ہے جن کا پورا اقتدار سمجھوتوں اور یوٹرن سے عبارت ہے۔

مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ وہ سماج کو بہتر بنانے، علم کی تجدید کرنے، افکار کی تطہیر کرنے، لوگوں کی اخلاقی تربیت کرنے اور ان میں ایمان کی روح پھونکنے کے بجائے کسی لیڈر کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔

فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

اس پر مستزاد یہ ہے کہ اس ڈرامے میں مافوق الفطرت طاقت کے حامل بزرگوں کا مرکزی کردار کے ساتھ ہونا ہے۔ سفید ڈاڑھی والے بزرگ جو ریاستوں کو بنانے اور گرانے پر مامور ہیں وہ ارطغرل کی مدد کر رہے ہیں۔ پھر ابن عربی کا کردار اس ڈرامے میں جس طرح دکھایا گیا ہے اس کی کوئی مستند تاریخی اساس نہیں ہے۔ مگر اس ڈرامے میں ایک اخلاقی مربی اور طبیب کامل کے علاوہ ان کا کردار بھی یہی ہے کہ وہ روحانی قوتوں کو استعمال کر کے اس عظیم لیڈر کی مدد کریں۔ اس طرح کی چیزوں پر اقبال کا یہ مرثیہ ہی پڑھا جا سکتا ہے۔

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں قرآن مجید ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ عزت و ذلت اور بادشاہی لینا اور دینا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے فیصلے اس کے فرشتے نافذ کرتے ہیں نہ کہ کچھ بزرگ۔ انسان کوئی بھی ہوں وہ تو خود حالت امتحان میں ہیں۔ رہے اس کے فیصلے تو وہ اپنے فیصلے اپنے اصولوں کی بنیاد پر کرتا ہے۔ ان میں سب سے بنیادی اصول یہ ہے

کہ قوم اپنی اصلاح اور بہتری کا کتنا جذبہ رکھتی ہے۔ اس کا اخلاقی رویہ کیسا ہے۔ اخلاقی رویہ پست ہے تو وقتی طور پر کسی طرح آپ کو اقتدار مل بھی جائے تو وہ چھین لیا جاتا ہے، اور اگر قوم کا اخلاقی رویہ اعلیٰ ہے تو دنیا کی امامت اور رہنمائی اس قوم کو دے دی جاتی ہے۔

بہرحال اس نکتے کا خلاصہ یہ ہے کہ قومیں تنہا کسی لیڈر کے آنے سے عظمت و ترقی کی منازل طے نہیں کرتیں۔ عصر حاضر میں یہ سماج ہوتا ہے جس کی مجموعی قوت قوم کی تقدیر بدلتی ہے۔ اس لیے کرنے کا اصل کام سماج کی اخلاقی تربیت اور فکری تطہیر ہے۔ ہم عظیم لیڈر کا انتظار کرتے رہے تو مایوسی اور دھوکوں کے سوا ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

جنگ کا میدان اب علم کا میدان ہے

اس ڈرامے کی تفہیم کا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ ڈرامہ دیکھنے والوں کو اس رومانوی دنیا کا اسیر بنا دیتا ہے جہاں کچھ بہادر تلوار ہاتھ میں لیے کفار کو کاٹتے ہوئے دشمنوں کو شکست دیتے ہیں اور مسلمانوں کی فتح کا علم بلند کر دیتے ہیں۔ ہمارا بچپن نسیم حجازی کے ناول پڑھ پڑھ کر اسی رومانوی دنیا میں گزرا تھا۔ مگر بعد میں مطالعہ وسیع ہوا تو معلوم ہوا کہ عرصہ ہوا دنیا بہت آگے جا چکی ہے۔

اسٹیم انجن کو ایجاد ہوئے اب ڈھائی سو برس سے زیادہ وقت گزر چکا ہے جب انسانی طاقت کی جگہ عِلم کی طاقت نے لے لی تھی۔ بدقسمتی سے اس واقعے کی خبر مسلمانوں کو آج کے دن تک نہیں ہوسکی ہے۔ یا درست الفاظ میں مسلمانوں کے دانشور اور فکری قیادت مسلمانوں کو یہ حقیقت تسلیم ہی نہیں کرنے دیتے۔ وہ ابھی بھی مسلمانوں کو اُسی دنیا میں زندہ رکھے ہوئے ہیں جہاں کچھ بہادر سر ہتھیلی پر لیے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار اسلام کی جنگ لڑتے تھے۔

کاش کوئی میری قوم کو بتائے کہ جنگ تو ابھی بھی جاری ہے، مگر میدان جنگ بدل چکا ہے۔ اب یہ علم کا میدان، ٹیکنالوجی کی دنیا اور ایجادات کی دوڑ ہے جہاں قوموں کی فتح و شکست کا حقیقی

فیصلہ ہوتا ہے۔اب دنیا تلوار سے علم کے دور میں داخل ہو چکی ہے۔اب علم کی طاقت ہی فوجی طاقت بنتی ہے۔علم کی طاقت ہی معاشی طاقت بنتی ہے۔علم کی طاقت ہی وہ ٹیکنالوجی دیتی ہے جو ایک قوم کو دوسری قوم سے آگے بڑھاتی ہے۔علم کی طاقت ہی وہ ایجادات کرتی ہے جو ایک قوم کو دوسرے سے زیادہ ترقی کی راہ پر ڈالتی ہے۔کاش مزید شکستوں، ذلتوں اور رسوائیوں سے پہلے ہماری قوم اس حقیقت کو سمجھ لے۔

سازشیں اور غداریاں

اس ڈرامے کی تفہیم کا تیسرا کمزور پہلو یہ ہے کہ اس میں اس قدر سازشیں اور غداریاں دکھائی گئی ہیں کہ دیکھنے والے کے ذہن میں یہ بات رچ بس جاتی ہے کہ اس دنیا میں ہر جگہ ہمارے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔دوسری قوموں میں کوئی خوبی نہیں بلکہ ان کا کل سرمایہ سازشیں کرنا ہے۔جبکہ ہماری اصل کمزوری یہی ہے کہ ہمارے درمیان غدار موجود ہیں۔ ورنہ ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

یہ ایک انتہائی غیر حقیقی انداز فکر ہے جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں بہت عام ہے۔اس ڈرامے کو دیکھنے والے میں یہ اندازِ فکر بہت زیادہ بڑھے گا۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی دنیا میں معاملہ مختلف ہے۔ یہاں پر جس قوم میں اخلاقی حس زندہ ہو، میرٹ کا چلن عام ہو، عدل و انصاف قائم ہو، علم و فن میں وہ قوم آگے ہو ان کے خلاف نہ غداری کرنا آسان ہوتا ہے نہ سازشیں موثر ہوتی ہیں۔غداری اور سازش صرف کمزوروں کے خلاف موثر ہوتی ہے۔اخلاقی طور پر طاقت ور لوگ ہر سازش کے باوجود اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔

اسی طرح یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ دوسری اقوام صرف سازشیں نہیں کر رہی ہوتیں۔ان کے اندر بھی بہت سی اعلیٰ خصوصیات ہوتی ہیں اور باصلاحیت افراد ہوتے ہیں۔ جب دو قوموں کا

مقابلہ ہوتا ہے تو اصل میں مقابلہ اس چیز کا نہیں ہوتا کہ کون دوسرے کے خلاف زیادہ کامیاب سازش کرتا ہے۔ بلکہ اصل مقابلہ اس پہلو سے ہوتا ہے کہ کون دوسرے کے مقابلے میں زیادہ باصلاحیت اور کہاں عدل، انصاف اور میرٹ کا چلن عام ہے۔ جو قوم ان چیزوں میں پیچھے ہو گی اس کے خلاف کی گئی ہر سازش رنگ لائے گی ورنہ ناکام ہو جائے گی۔

خلاصہ

ارطغرل ڈرامے کے یہ وہ تین پہلو ہیں جو لاشعوری طور پر دیکھنے والوں کے دل و دماغ کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں۔ مگر یہی وہ تین پہلو ہیں جنھوں نے پچھلے دوسو برسوں میں مسلمانوں کے زوال کو ختم نہیں ہونے دیا۔ یعنی وہ سماج کو طاقتور بنانے کے بجائے کسی عظیم لیڈر کی آمد کے منتظر ہیں جو کچھ بزرگوں کی مدد سے مسلمانوں کی تمام تر اخلاقی پستی کے باوجود ان کو دنیا میں غالب کر دے گا۔ دوسرا یہ کہ مسلمان ابھی تک ذہنی طور پر جنگ کے اس میدان میں زندہ ہیں جہاں جسمانی طاقت فیصلہ کن ہوتی ہے جبکہ دنیا آگے بڑھ کر علم و ٹیکنالوجی کے اس سنگ میل کو عبور کر چکی ہے جس میں مہارت کے بغیر غلبہ و کامیابی دیوانے کا خواب ہے۔ تیسرا یہ کہ مسلمان اپنی تمام تر کمزوریوں کو بھول کر کچھ غداروں اور بیرونی سازشوں کو اپنی پستی و شکست خوردگی کا سبب سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان جب تک ان تین چیزوں کو ٹھیک نہیں کرتے تب تک عروج و اقتدار کی منزل سے بہت دور رہیں گے۔ مسلمان ارطغرل ڈرامہ دیکھیں یا نہ دیکھیں، مہربانی کر کے یہ اسباق ضرور یاد کر لیں۔ اسی میں ان کے عروج کا راستہ پوشیدہ ہے۔

جہاں رہیں بندگان خدا کے لیے باعث رحمت بنیے، باعث آزار نہ بنیے۔

جاوید چوہدری

آپ صرف عادتیں بدل لیں

یہ میری عملی زندگی کے ابتدائی دن تھے، میں لاہور میں ایک بزرگ دانشور کے پاس حاضر ہوا اوران سے عرض کیا میں کامیاب انسان بننا چاہتا ہوں، مجھے کیا کرنا چاہیے، وہ مسکرائے اور میٹھی آواز میں بولے پھر کامیاب لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔

بزرگ دانشور کا کہنا تھا انسان ہمیشہ صحبت سے متاثر ہوتا ہے، آپ دولت مند لوگوں میں بیٹھتے ہیں تو آپ بھی دولت مند ہو جاتے ہیں۔ آپ دانشوروں میں بیٹھتے ہیں تو دانشور، عالم اور فاضل ہو جاتے ہیں اور آپ کامیاب لوگوں کی کمپنی میں بیٹھتے ہیں تو آپ بھی آہستہ آہستہ کامیاب ہونے لگتے ہیں۔

بزرگ دانشور کا کہنا تھا کہ انسان کا طرزِ عمل اگر اس کے برعکس ہو تو اس پر بری صحبت بھی ضرور اثر کرتی ہے مثلاً وہ کامیاب لوگ جو اپنا زیادہ وقت ناکام لوگوں میں گزارتے ہیں، وہ دانشور جن کا زیادہ وقت جاہلوں میں گزرتا ہے اور وہ بچے جو غیر صحت مندانہ عادات کے شکار بچوں میں وقت گزارتے ہیں وہ بھی بہت جلد ان لوگوں جیسے ہو جاتے ہیں۔ بزرگ دانشور کا کہنا تھا تم اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو تو اپنا زیادہ وقت کامیاب لوگوں کے درمیان گزارنا شروع کر دو، ان کی کامیابی کا اثر آہستہ آہستہ تمہارے اوپر بھی ظاہر ہونے لگے گا۔

مجھے اس وقت ان کی بات پوری طرح سمجھ نہیں آئی لیکن میں نے اس کے باوجود وہ بات پلے باندھ لی اور میں نے کام یاب لوگوں کے بارے میں تحقیق شروع کر دی، میں نے دنیا کے کام یاب ترین لوگوں کی بائیوگرافیز بھی پڑھنا شروع کر دیں، میں نے بے شمار کامیاب لوگوں سے ملاقات بھی کی اور میں کامیاب لوگوں کی کامیابی کے راز بھی جمع کرتا رہا لیکن میں اس سفر کے

دوران سب سے زیادہ متاثر کراچی کے ایک بزنس مین سے ہوا۔

میرے ایک دوست نے میری ان سے ملاقات کرائی، یہ ایک سیلف میڈ (اللہ میڈ) بزنس مین ہیں، یہ انتہائی غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے ٹیوشن پڑھا پڑھا کر تعلیم مکمل کی، ایک پرائیویٹ کمپنی میں منشی کی نوکری کی، کمپنی کا مالک ایک وژنری انسان تھا، یہ اس سے متاثر ہوئے، انھوں نے مالک کی شخصیت کا مطالعہ کیا، مالک کی اچھی عادتوں کی فہرست بنائی، وہ عادتیں اپنائیں، نوکری چھوڑی، دس ہزار روپے سے چھوٹا سا کاروبار شروع کیا اور بیس سال میں ارب پتی بن گئے، یہ کامیابی اور امارت کا ایک بڑا اسٹڈی کیس تھا، میں نے ان سے کامیابی کا فارمولا پوچھا تو میرے اس سوال نے نئے زاویوں کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔

ان صاحب کا کہنا تھا میں پینتیس برس پہلے ایک سیٹھ کے پاس منشی تھا، ایک دن سیٹھ اپنی بڑی اور مہنگی کار سے اترا، سیٹھ کے ذاتی خادم اس کی طرف دوڑ پڑے، کسی نے اس کا دروازہ کھولا، کسی نے اس کا بریف کیس نکالا اور کسی نے اس کا چشمہ، اس کی گھڑی اور اس کی فائلیں اٹھا لیں، میں شیشے کے اندر سے یہ منظر دیکھ رہا تھا، میں نے اس وقت سوچا اس سیٹھ اور مجھ میں کیا فرق ہے؟ میرے دماغ میں روشنی کا ایک کوندا سا لہرایا اور مجھے محسوس ہوا مجھ میں اور اس میں صرف چند عادتوں کا فرق ہے۔

میری ساری عادتیں غریبوں جیسی ہیں جب کہ سیٹھ نے امیروں کی عادتیں اپنا رکھی ہیں، میں فوراً اپنی میز پر جھکا، میں نے کاغذ اور پنسل اٹھائی اور میں نے غریبوں اور امیروں کی عادتوں کی فہرست بنانا شروع کر دی، مجھے محسوس ہوا غریب لوگ سست ہوتے ہیں، یہ اپنا زیادہ تر وقت فضول کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں جب کہ امیر لوگ چست ہوتے ہیں اور یہ اپنا ایک ایک لمحہ تعمیری اور مثبت کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

غریب لوگ سیکھنا یعنی لرن،، کرنا چھوڑ دیتے ہیں جب کہ امیر لوگ پوری زندگی نئی سے نئی چیز سیکھتے رہتے ہیں، غریب لوگ کمیٹی نکلنے، لاٹری لگنے اور چھپڑ پھٹنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں جب کہ امیر لوگ اپنا چھپڑ بناتے ہیں، اپنی لاٹری ایجاد کرتے ہیں اور لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کی کمیٹی بناتے ہیں اور لوگوں کا منافع اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں، غریب لوگ رسک لینے، چیلنج قبول کرنے اور اپنی شیٹو لینے سے گھبراتے ہیں جب کہ امیر لوگوں کی پوری زندگی چیلنجز اور رسک کے گرد گھومتی ہے، غریب لوگ کم پر راضی ہو جاتے ہیں، یہ سر ڈھانپ کر پاؤں ننگے چھوڑ دیتے ہیں جب کہ امیر لوگ کم پر راضی نہیں ہوتے، یہ سر بھی ڈھانپتے ہیں اور پاؤں چھپانے کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔

غریب آدمی جلد مایوس ہو جاتا ہے، یہ چھوٹی سی ناکامی پر دل ہار بیٹھتا ہے جب کہ امیر شخص آخری سانس تک سٹرگل کرتا ہے، ایک جگہ ناکام ہوتا ہے تو کسی دوسرے شہر، کسی دوسرے ملک میں جا کر کام شروع کر دیتا ہے، غریب آدمی اکثر اوقات کام چوری سے کام لیتا ہے جب کہ امیر لوگ کام کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں، یہ اپنے کام میں کبھی ڈنڈی نہیں مارتے اور غریب لوگ جلدی غصے میں آ جاتے ہیں۔

یہ ہر وقت شکوہ کرتے ہیں، ان کے ہونٹوں پر اکثر اوقات کسی نہ کسی کی شکایت ہوتی ہے اور یہ ضدی ہوتے ہیں جب کہ امیر لوگ دھیمے مزاج کے انسان ہوتے ہیں، ان کے پاس شکایت اور شکوے کے لیے وقت نہیں ہوتا اور یہ اکثر اوقات ضد اور ہٹ دھرمی سے پرہیز کرتے ہیں، میں نے اسی وقت اپنی اور اپنے سیٹھ کی عادتوں کی فہرست بنائی اور مجھے معلوم ہوا سیٹھ اور مجھ میں صرف عادتوں کا فرق ہے، میں آج اگر امیر لوگوں جیسی عادتیں اپنا لوں تو میں بھی امیر ہو سکتا ہوں چنانچہ میں نے فوراً غریب لوگوں کی عادتیں ترک کیں اور سیٹھ کی عادتیں اپنا لیں لہٰذا دولت

میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور میں بیس سال بعد سیٹھ سے کہیں آگے کھڑا تھا۔

میں بڑی توجہ سے ان کی بات سنتا رہا، ان کا کہنا تھا کامیاب انسان اور ناکام انسان، صحت مند شخص اور بیمار شخص، اچھے انسان اور برے انسان، عالم شخص اور جاہل شخص اور صوفی اور بدمعاش میں صرف عادتوں کا فرق ہوتا ہے، ناکام انسان کی عادتیں ناکام لوگوں جیسی ہوتی ہیں، بیمار شخص نے بیماروں جیسی عادتیں پال رکھی ہوتی ہیں، برے انسان کی عادتیں بروں جیسی ہوتی ہیں۔

جاہل جاہلوں کی طرح زندگی گزارتا ہے اور بدمعاش میں بدمعاشوں جیسی عادتیں ہوتی ہیں جب کہ ان کے مقابلے میں صوفی میں صوفیوں جیسے اوصاف، عالموں میں عالموں جیسی عادتیں، نیک انسانوں میں اچھے انسانوں کی عادتیں، صحت مند لوگوں میں ہیلتھی پیپل کی عادتیں اور کامیاب لوگوں میں کامیاب لوگوں کی عادتیں ہوتی ہیں، یہ صرف عادت ہے جو ہمیں اچھا یا برا، کامیاب یا ناکام اور بھکاری یا سیٹھ بناتی ہے اور ہم اگر اپنی عادت بدل لیں تو ہماری کلاس تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی۔

میں نے انھیں ٹوکا اور ان سے پوچھا لیکن میں نے بے شمار غریب لوگ دیکھے ہیں۔جن میں امیروں جیسی عادتیں ہوتی ہیں اور میں اکثر ایسے امیر لوگ بھی دیکھتا ہوں جن کی ساری عادتیں غریبوں جیسی ہوتی ہیں۔ وہ مسکرائے اور پورے یقین سے بولے آپ کی بات درست ہے لیکن آپ آج سے ایک نیا مطالعہ شروع کر دیں، آپ ان غریب لوگوں کو واچ کریں جن میں امیر لوگوں کی عادتیں ہیں، آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے، یہ لوگ زیادہ دیر تک غریب نہیں رہیں گے، وہ تمام لوگ جنھیں ہم سیلف میڈ کہتے ہیں، یہ بنیادی طور پر وہ لوگ ہوتے ہیں جو غربت میں امیر لوگوں کی عادتیں اپنا لیتے ہیں چنانچہ اللہ ان پر کرم کرتا ہے اور یہ لوگ غربت کی دلدل سے نکل

آتے ہیں۔

اس طرح غریبوں کی عادتوں والے امیر لوگ زیادہ دیر تک امیر نہیں رہتے ، ہم جن لوگوں یا جن خاندانوں کو امارت سے غربت کی طرف سفر کرتے دیکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو سفر کے دوران غربت یا ناکامی کی عادتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے کامیابی اور امارت مٹھی کی ریت کی طرح ان کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے، رہا اتار چڑھاؤ تو یہ زندگی کا حصہ ہے، دنیا کے غریب سے غریب ترین شخص کو بھی زندگی میں اپنے حالات تبدیل کرنے کا ایک آدھ موقع ضرور ملتا ہے جب کہ امیر سے امیر لوگ بھی زندگی کے کسی حصے میں سانپ اور سیڑھی کے کھیل کا ضرور نشانہ بنتے ہیں، لیکن عادتوں کی وجہ سے امیر بہت جلد دوبارہ امیر اور غریب مستقل غریب ہو جاتے ہیں۔

یہ تاریخ ہے دنیا کے تمام امیر لوگ زندگی میں ایک آدھ بار شدید نقصان ضرور اٹھاتے ہیں، یہ ایک آدھ بار غریب ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کی عادتیں، ان کی سکلز انھیں دوبارہ واپس ان کے مقام پر لے آتی ہیں جب کہ غریب اپنی غریب عادتوں کی وجہ سے امیر ہونے کا ہر موقع ضائع کرتے رہتے ہیں۔لہٰذا فرق صرف عادتوں کا ہے،آپ صرف عادت بدل دیں آپ کے حالات تبدیل ہو جائیں گے،، مجھے ان کی بات عجیب لگی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ مجھے اس فلسفے میں جان محسوس ہونے لگی ، پتہ چلا یہ فلسفہ صرف فلسفہ نہیں ، یہ جادو ہے، یہ کامیابی کا بہت بڑا پریکٹیکل گُر ہے،ایسا گُر جو آپ کو اندر اور باہر دونوں سائیڈز سے تبدیل کر سکتا ہے بس کریں اور پھر تبدیلی دیکھیں۔

ڈاکٹر طارق قمری

سیلفی

میرے بھائی تو روز آئینہ دیکھتا اور سوچتا ہے کہ میں کتنا خوبصورت ہوں ۔نت نئے ہیئر اسٹائل بناتا ہوں نئے نئے کپڑے پہن کر اتراتا پھرتا ہوں ۔ نئے نئے پوز بنا کر سیلفی لی اور پوری دنیا کو بھیج دی۔

میری بہن تم بھی سمجھتی ہو کہ میں کتنی حسین وجمیل ہوں میری دلنشیں اور خمار آلود آنکھیں دیکھنے والوں کو بے سدھ کر دیتی ہیں ۔میری جھیل جیسی گہری آنکھوں میں جو ڈوب گیا وہ کبھی باہر نہیں نکل سکتا۔میری ریشمی زلفیں ایسا جال ہیں جس میں پھنس کر کبھی کوئی رہا نہیں ہوسکتا۔میں اپنی جنبشِ ابرو سے بڑے بڑے سورماؤں کو گھائل کرسکتی ہوں، جوان میرے ایک اشارے کے منتظر اور بوڑھے مجھے دیکھ کر آہیں بھرتے ہیں ۔شاعر میرے گلاب سی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں کو دیکھ کر شاعری کرتے ہیں۔ بار بار آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو سنوارا......غازہ ملا....سرخی پاؤڈر لگا کر رخسار سیب کی طرح سرخ کیئے سیلفی لی اور اپنی خوبصورتی کو بُری نظروں کے سامنے پھینک دیا۔

سیلفیاں پھینکیں دنیا بھر سے جھوٹی تعریف سن کر خوابِ غفلت کے مزے لوٹنے لگے۔اس خالق کو بھول گئے جس نے اتنا خوبصورت بنایا اور زندگی دی۔اصل تعریف تو اس مالک کی ہے۔ یہ نہیں سوچا کہ ہماری خوبصورتی میں ہمارا کوئی کمال یا اختیار نہیں۔ یہ تو اس کی رحمت اور مہربانی ہے کیونکہ وہی ہر تعریف کے لائق ہے۔آہ...... یہ نہیں سوچا کہ:

اگر وہ ہمارے ہونٹ بھدے' کان لمبے' آنکھیں ٹیڑھی میڑھی' ایک ٹانگ غائب کر دیتا یا اس چہرے کو بدنما بنا دیتا جس پر ہم غرور کر رہے ہیں تو ہم کیا کر سکتے تھے۔ ہماری قوت سماعت' بینائی یا قوت گویائی چھین لیتا تو دنیا کے کسی انسان میں اتنی طاقت نہیں کہ ان میں سے ہمیں ایک بھی نعمت بخش سکتا۔کیا ہمیں اس کے خالق کل ہونے کا یقین نہیں؟

مگر یہ یقین تو ہو گا کہ اگر ہم خود کو بنانا چاہتے تو کبھی بھی اتنا خوبصورت اور مکمل نہ بنا سکتے۔ سیلفیاں لیں اور نیٹ پر پھینک کر پوری دنیا سے تعریف سمیٹ لی۔مگر اس کا شکریہ تک ادا نہیں کیا۔کبھی اس کا شکریہ تو ادا کر کے دیکھیں مجھے یقین ہے کہ وہ اور بھی نوازے گا اور بھی خوبصورت بنا دے گا۔

افسوس صد افسوس کہ انسان خسارے میں ہے اور ہمیشہ خسارے کا ہی سودا کرتا ہے۔
سنو......میرے بھائی اصل آئینہ وہ نہیں جسے ہم روز دیکھتے ہیں اصل آئینہ تو ہمارے اندر ہے جسے ہم نے دیکھنے کی کبھی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔کبھی اس کے سامنے بھی بیٹھ کر دیکھیں تو جان جائیں گے کہ ہم کیا اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ایک ریت کے ذرے کے برابر بھی نہیں۔ ہماری تو اتنی بڑی زمین بھی کائنات کے مقابل ایک معمولی سا ذرہ ہے۔ ہم نے کبھی سوچا کہ کائنات میں ہمارا مقام کیا ہے۔مٹی سے بنے اور عنقریب مٹی ہو جانے والے۔
لیں سیلفی کوئی منع نہیں کرے گا لیکن اپنے اندر کی اور پھر ڈالیں نیٹ پر......پھر دکھائیں دنیا کو کہ ہم اصل میں کیا ہیں ہماری اصل خوبصورتی اور اوقات کیا ہے۔میرے بھائی یہ صرف ہماری سوچ اور نظر کا دھوکا ہے ہم سب دھوکے میں اور دیکھنے والے بھی دھوکے میں۔تو پھر سچ کیا ہے۔ سچ ہمارے اندر ہے اسے تلاش کرنا ہے۔ذرا اندر(روح) کی سیلفی لیں۔اسے بار بار دیکھیں اگر روشن (خوبصورت) نکلی تو ساری دنیا تو کیا فرشتے بھی تعریف کریں گے۔اگر بدنما نکلی تو ہمیں خود سے گھن آنے لگے گی خود پر نفرین کرنا پڑے گی۔دنیا اور فرشتے تو بعد میں دیکھیں گے۔
مگر مجھے معلوم ہے کہ ہمارے پاس ایسی فضولیات کے لئے وقت ہی نہیں۔ہمیں دنیا کی رنگینیوں سے فرصت ملے تو ادھر دیکھیں۔کیا خود پسندی ہے جھوٹی تعریف کے مارے ہوئے۔ ہمیں سوچنا ہے کہ جب وقت نے ہمارے سامنے آئینہ لا کر رکھ دیا تو کیا ہوگا۔ جب ہماری اصل تصویر ہمارے سامنے آئے گی۔ جب ہم پر ہماری بے وقعتی اور بے چارگی کھلے گی۔ جب اپنے اعمال کا پردہ اُٹھے گا۔ پھر کسی ازالے کا بھی وقت نہیں ہوگا۔
لیں نا......اب سیلفی لیں اپنے اندر کی۔کیا خوف محسوس ہو رہا ہے۔کیوں......؟
اب جھانکیں اپنے اندر اور غور کریں کہ کتنی کثافتیں ہماری شخصیت کو بدنما کر رہی ہیں۔ان کو صاف اور تراش خراش کریں۔اندر کی تصویر کو سنواریں کہ ہماری اصل شکل ہماری روح ہے۔ جس کو ہم سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں وہ تو صرف مٹی کا ایک بُت ہے۔
اپنی روح کا میک اپ کریں اسے خوبصورت بنائیں۔پھر دنیا کو دکھائیں اگر ہم نے اس کو خوبصورت بنا لیا تو دنیا کے خوبصورت ترین انسان بن جائیں گے۔دنیا ہمیں دیکھنے کے لئے بے تاب ہوگی۔بے شمار کمنٹس ملیں گے۔لاتعداد لائک ملیں گے۔اور ایک سپر لائک بھی ملے گا۔ جو سب پر بھاری ہے۔ پھر ہم وہ انسان بن جائیں گے جو خدا کو مطلوب اور پسندیدہ ہے۔ جسے خدا پسند کر لے اس کی دنیا تو کیا فرشتے بھی تعریف کرتے ہیں۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم/محمود مرزا

حسد کا علاج

حسد ایک ایسی انسانی کمزوری اور منفی جذبہ ہے جس پر ہم سب کو قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ وہ جذبہ ہے جس کے نتیجے میں دوست دشمن بن جاتے ہیں، پرانے تعلقات ایک بدصورت شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ہمدردی ایک خطرناک دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اس جذبے پر آخر کیسے قابو پایا جائے؟

چند تدابیر ہیں جو اس شیطانی وصف کو قابو میں کرنے کے لیے ہماری مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

1۔ہمیں اس عادت کو اپنانا چاہیے کہ ان لوگوں کو دیکھیں جو اپنی زندگی کے بیشتر حصے میں محرومیوں اور مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔اس سے ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کے لیے شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہو گا اور ہماری توجہ اپنی محرومیوں پر کڑھنے اور دوسروں سے حسد کرنے کے بجائے ہمارے پاس موجود نعمتوں پر ہوگی۔

2۔ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی صلاحیت اور قابلیت پر دھیان دیں اور اس کے لیے اللہ کا شکر ادا کریں۔اس دنیا میں ہر شخص ایک منفرد مہارت اور ذہانت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔تاہم ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنی اس خاص صلاحیت کو دریافت کر کے اسے اور نکھاریں تاکہ ہم اپنے معاشرے میں ایک نمایاں حیثیت حاصل کر سکیں، بجائے اس کے کہ ان صلاحیتوں اور خوبیوں پر افسوس کریں جو دوسروں کے پاس ہیں اور ہمارے پاس نہیں۔

3۔ہم نہیں جانتے کہ وہ شخص جس کے ساتھ ہم حسد میں مبتلا ہیں اندر سے کن حالات سے گزر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی پریشانیاں اور مسائل ان نعمتوں اور صلاحیتوں سے کہیں زیادہ

۱؎ سنن البیهقي: ٧٦٢٠۔ ۲؎ الطبراني: ٨٧٩١۔

ہوں جن کی بنا پر ہم ان سے حسد کر رہے ہیں۔اور جب ہمیں اس بات کا علم ہو تو حسد کرنے کے بجائے ہمیں ان سے ہمدردی ہو جائے۔

4۔ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ان لوگوں سے ملنا جلنا اور سلام دعا کرنا شروع کریں جن سے ہمیں حسد ہے۔اس عمل سے ہمارے اندر موجود بغض اور کینہ کو دھچکا پہنچے گا جس کے نتیجے میں ہمارے اندر نرمی اور مثبت سوچ پیدا ہوگی۔اس سلسلے میں ایک اور بہتر عمل یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو عید، سالگرہ جیسے مختلف مواقع پر تحفے تحائف بھی دیں۔

5۔ہمیں ہر حال میں اپنی اس انداز میں تربیت کرنی چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کی گئی تقسیم سے راضی اور مطمئن رہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ نے اس دنیا میں آزمائش کی غرض سے کچھ لوگوں کو نوازا ہے اور کچھ کو محروم رکھا ہے تاکہ ان میں سے کامیاب لوگوں کو اپنی جنت میں آباد کریں۔تاہم ہمیں چاہیے کہ ہم شکرگزاری کے جذبے کے ساتھ اس آزمائش کو صبر و تحمل سے برداشت کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے۔پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے سمجھایا، (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم۔ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم کی مدد تو میں کر سکتا ہوں، لیکن اگر بھائی ظالم ہو تو اس کی مدد کس طرح کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو ظلم کرنے سے روک دو۔ (بخاری، مسلم)

مولانا محمد ذکوان ندوی

تزکیہ: ایک ربانی کردار

ایک طویل روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ اِس روایت کا آخری حصہ یہ ہے: ’قال رجل: وما تزكيةُ المرء نفسَه يا رسول اللّٰه؟ قال: يعلم أن اللّٰه معه حيث ما كان‘[1]، یعنی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آدمی کا اپنے نفس کا تزکیہ کرنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے نفس کا تزکیہ یہ ہے کہ آدمی اِس حقیقت کو جانے کہ اللہ اُس کے ساتھ ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ اِسی بات کو ایک اور روایت میں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ’إن أفضل الايمان أن تعلم أن اللّٰه معك حيث ما كنت‘[2]، یعنی ایمان کا بہتر درجہ یہ ہے کہ تم یہ جانو کہ اللہ تمھارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو۔

اِن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ کسی آدمی کے اندر خداوند ذوالجلال کی شعوری دریافت (ایمان) کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ایک ربانی شخصیت کا نام ہے۔

تزکیہ یہ ہے کہ آدمی اِس دنیا میں خدا کی موجودگی کا تجربہ کرنے لگے۔ خدا کی پکڑ کا احساس اُس کی جلوت اور اُس کی خلوت دونوں کو پوری طرح بدل دے۔ وہ ایک باکردار انسان ہو۔ وہ ایمان اور اخلاق کا عملی نمونہ ہو۔ وہ لوگوں کے سامنے بھی خدا سے ڈرنے والا ہو، اور تنہائیوں میں بھی خدا کا خوف اُس کا نگراں بنا ہوا ہو۔ اس کے اندر سے قول و عمل کا تضاد مکمل طور پر ختم ہو گیا ہو۔ اس کے ظاہر اور اس کے باطن میں کوئی فرق موجود نہ ہو۔ وہ پورے معنوں میں ایک قابلِ پیشین گوئی کردار (predictable character) کا حامل ہو۔ اُس کا کنسرن (concern) خدا کی رضا اور جنت کا حصول ہو، نہ کہ دوسری اور کوئی چیز۔ وہ اصول کی بنیاد پر متحرک ہوتا ہو، نہ کہ مفاد کی بنیاد پر۔ اس کی زندگی ایک حقیقت پسندانہ زندگی ہو۔ اُس کی سوچ تعصّبات سے خالی ہو۔ وہ گروہی عصبیتوں سے بلند ہو گیا ہو۔ وہ ایک متواضع (modest) انسان ہو، نہ کہ متکبر

(arrogant) انسان۔ خدائے برتر کی دریافت نے اُس کو آخری حد تک ایک کٹ ٹو سائز انسان (man cut to size) بنادیا ہو۔ خدا کے ظاہر ہونے سے پہلے وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کے آگے جھک گیا ہو۔

یہی وہ انسان ہے جس نے اپنا تزکیہ کیا، اور جو شخص اِس طرح اپنا تزکیہ کرے، وہ بلا شبہ ایک ربانی انسان ہے۔ تزکیہ اپنے اندر اِسی قسم کی ایک ربانی شخصیت کی تعمیر کا نام ہے، نہ کہ مجہول قسم کی کسی پُر اسرار حالت کا نام۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے، مگر اللہ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے بالاتر ہے۔ وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لیے ایک تحفہ ہے اور میں ہی اس کا اجر وثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہشات نفس اور کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو مسرتیں ہیں۔ ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک کی بارگاہ میں شرف باریابی کے وقت اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ بے ہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور وشغب نہ کرے۔ اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا جھگڑا کرے تو کہے کہ میں روزے سے ہوں۔
(بخاری، مسلم)

خطیب احمد

زیلنسکی کا مقصد

ولادی میر زیلینسکی (Volodymyr Zelensky) یوکرائن کے موجودہ صدر ہیں جو پہلے ایک کامیڈین تھے۔ وہ یوکرائن کے ایک پسماندہ خاندان میں 25 جنوری 1978ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم میں خاص دلچسپی نہ ہونے پر مقامی سرکس میں ایک کامیڈین کی حیثیت سے شمولیت اختیار کرلی۔ پھر انھوں نے فلم انڈسٹری میں جا کر چند فلمیں ڈائریکٹر و پروڈیوسر کے طور پر کیں اور دو ہی سال بعد اپنا ٹی وی چینل بنالیا۔

2015 میں زیلینسکی نے ایک کامیڈی ٹی وی سیریل لکھا اور پروڈیوس کیا۔ اس کا نام Servant of the people تھا۔ ڈرامہ سیریل میں انھوں نے ملک کے صدر کا کردار ادا کیا اور اس کردار میں ملک سے کرپشن کو ختم کرنے کے عملی اقدامات کیے جو عوامی حلقوں میں بے حد پسند کیے گئے۔ زیلینسکی نے 2017 میں الیکشن میں صدارت کے عہدے کے انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ 2019 کے انتخابات میں وہ 73.22 فیصد ووٹ حاصل کر کے یوکرائن کے صدر منتخب ہو گئے۔

ایک رپورٹر نے زیلینسکی کا انٹرویو کیا اور پوچھا کہ آپ نے یہ سب کیسے کیا؟ زیلینسکی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ جب میرا ملک روس سے 24 اگست 1991ء کو آزاد ہوا تو میری عمر 13 برس تھی۔ اس کے بعد برسوں تک میں نے دیکھا کہ کرپشن میرے ملک کا بیڑہ غرق کیے جا رہی ہے۔ نااہل لوگ حکومت کا حصہ ہیں۔ ملک کے ساتویں جنم دن 24 اگست 1998ء کو میں اپنے ساتھ عہد کرلیا کہ اس آزاد ملک کی بقا کے لیے مجھے اس ملک کو سنبھالنا ہے۔

جب ایک سرکاری دفتر میں میرا جائز کام کرنے کے لیے رشوت مانگی گئی تو میں نے ٹھان لیا

کہ بیس سال بعد جب میں چالیس کا ہو جاؤں گا تو ملک کا سربراہ بنوں گا۔ میں سب ٹھیک کر دوں گا مگر کسی کو برا بھلا نہیں کہوں گا۔ اس دن کے بعد میرا ایک ایک لمحہ مجھے میری منزل کی طرف لے کر گیا۔ عوام سے تعلق قائم کرنے کا سب سے موثر ذریعہ میری نظر میں میڈیا تھا۔ میں نے سرکس سے آغاز کیا۔ پھر ٹی وی اور فلم میں آیا اور عوام میں مقبول ہو گیا۔ پھر اپنے پلان کو پیپر پر اتار کر Servant of the people سیریل لکھا اور عوام کو دکھایا کہ میں یوکرائن کو کیسا دیکھتا ہوں۔ میں کیا کرنا چاہتا تھا یہ میں نے اپنی ڈائری پر لکھا ہوا تھا جسے میں نے کسی سے بھی شیئر نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ میرے بیوی بچے بھی میرے اس مشن سے ناواقف تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ایک فرد بھی مجھے کہے کہ تم یہ نہیں کر سکو گے۔

آج میں اس ملک کا سربراہ ہوں۔ میں یوکرائن کو ایک ایسا ملک بنا دوں گا کہ اس کی مثال دی جائے گی۔ جس دن میں نے عہدہ سنبھالا اس کے بعد پہلا صدارتی بل پیش کر کے کرپشن کی سزا موت کر دی ہے۔ وہ چاہے کوئی کتنا ہی بڑا لیڈر یا سرکاری افسر کیوں نہ ہو۔ میں معیار تعلیم کو ہر یوکرائنی کے لیے یکساں کروں گا ایک سرکس کے جوکر اور ملک کے صدر کے لیے قانون ایک ہوگا۔ آپ آج بھی دیکھ لیں۔ پانچ سال بعد بھی دیکھ لیجیے گا کہ یوکرائن کہاں کھڑا ہوگا۔

زیلنسکی کی اس داستان میں ہم سب کے لیے ایک سبق ہے کہ جب کوئی مقصد بنا لیا جائے تو انسان اسے حاصل کر ہی لیتا ہے۔ چنانچہ اب ہم سب کو سوچنا چاہیے کہ ہمارے پاس دنیا اور آخرت کے لحاظ سے کوئی مقصد ہے یا ہم ایسے ہی بے مقصد جیے جا رہے ہیں۔ ہم ملک و قوم کی فلاح کا کوئی مشن اپنے لیے رکھتے ہیں یا نہیں۔ ہم اجتماعی خیر کے کسی مشن کا حصہ بنتے ہیں یا نہیں۔ لوگوں کی سیرت و کردار میں بہتری کے لیے عملی طور پر کوئی کام کرتے ہیں یا نہیں۔ اسی سوال کے جواب پر پاکستان کے مستقبل کا انحصار ہے۔

شفقت علی

مسائل اور ہمارا رویہ

مسائل اور مشکلات انسانی زندگی کا حصّہ ہیں۔ ہر انسان خواہ وہ امیر ہے یا غریب، چھوٹا ہے یا بڑا، پڑھا لکھا ہے یا اَن پڑھ، مومن ہے یا غیر مومن ان سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ کسی انسان کو بھی ان سے فرار حاصل نہیں ہے اور نہ ان کو ختم کرنے پر اختیار۔ البتہ ہمیں اپنے جوابی رویہ کے انتخاب میں اختیار حاصل ہے اور یہی ہمارا امتحان ہے۔

پہلا رویہ یہ ہے کہ انسان پیش آنے والے مسئلہ یا مشکل کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھے، اس سے حل کی دعا مانگے اور صبر کا مظاہرہ کرے۔ یوں وہ مسئلہ یا مشکل کو چیلنج سمجھتے ہوئے امید پہ قائم رہ پائے گا اور اس کے حل کا عزم کرے گا۔ یہ رویہ مثبت ہے جس کا نتیجہ وقت اور انرجی کا بہترین استعمال ہے۔ یہ رویہ دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

دوسرا رویہ یہ ہے کہ انسان پیش آنے والے مسئلہ یا مشکل کو لوگوں کی سازش سمجھ لے اور ان کے خلاف شکوہ و شکایت میں مبتلا ہو جائے۔ وہ اس مسئلہ کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھ بیٹھے اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مایوس ہو جائے۔ یہ رویہ سراسر منفی ہے جس کا نتیجہ صرف وقت اور توانائی کا ضیاع ہے اور دنیا و آخرت کی ناکامی۔

تجربہ بتاتا ہے کہ مثبت رویہ انسان کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کو نشو ونما دیتا ہے۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو دماغ کے خلیے بیدار (active) ہو جاتے ہیں اور حل پیش کرتے ہیں۔ موجودہ دور کی مادی و تہذیبی ترقی اسی رویہ کا نتیجہ ہے۔ ان مادی پہلوؤں کے علاوہ مسائل انسان کے عقلی اور روحانی پہلوؤں کی تعمیر میں بھی بھرپور حصہ ڈالتے ہیں۔ مسائل انسان میں تقویٰ، عاجزی، سنجیدگی، حقیقت پسندی، صبر اور توکل جیسی اعلیٰ صفات پیدا کرتے ہیں۔ یوں مثبت رویہ کی بدولت مسائل جو بظاہر شر محسوس ہو رہے ہوتے ہیں خیر میں بدل جاتے ہیں۔

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (67)

اخلاقی طور پر مطلوب و غیر مطلوب رویے: ظلم

ظلم: عدل و انصاف کا متضاد رویہ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ظلم عدل و انصاف کا متضاد رویہ ہے۔ یہ بات ایک درجہ میں ٹھیک ہے۔ ہم اس سے پہلے یہ دیکھ چکے ہیں کہ قرآن مجید نے عدل، قسط اور حق وغیرہ کی اصطلاحات کو استعمال کر کے اس اخلاقی وصف کو بیان کیا ہے جس میں انسان اپنے قول و فعل سے حق اور انصاف کا مظاہرہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ظلم کا لفظ اس رویے کے متضاد رویے کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے جو ناانصافی، زیادتی، خلاف عدل جھوٹی گواہی اور کسی کی جان، مال، آبرو کو نقصان پہنچانے پر مبنی ہوتا ہے۔

اس حوالے سے دوسری اہم بات یہ ہے کہ ظلم کا یہ مفہوم زیادہ تر انسانوں کے حقوق کے پس منظر میں مراد لیا گیا ہے۔ یہ بات اس پہلو سے بالکل قابل فہم ہے کہ انسانوں کے ساتھ جب بھی ظلم ہوگا تو ناانصافی پر مبنی رویہ اور جان، مال، آبرو کا نقصان ہی وجود میں آئے گا۔ خدا کی ہستی ظاہر ہے کہ ایسے ہر عجز سے پاک ہے کہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ ظلم کا لفظ جب خالق کے حقوق کے پس منظر میں استعمال ہوتا ہے تو پھر قرآن مجید ظلم کی اصطلاح کو بہت جامع اور وسیع تر مفہوم میں استعمال کرتا ہے جس کا جائزہ آگے لیا جائے گا۔

اس ضمن کی تیسری اہم بات یہ ہے کہ جس طرح عدل کو بیان کرنے کے لیے قرآن مجید نے دیگر الفاظ یعنی قسط اور حق وغیرہ کو استعمال کیا تھا، اسی طرح ظلم کو بیان کرنے کے لیے بھی ظلم کے علاوہ کئی اور الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جیسے بغی، تعدی اور طغیان وغیرہ۔ ظلم کی طرح یہ الفاظ بھی

انھی دو مفاہیم کے بیان کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔یعنی ایک طرف یہ خلق کے حقوق کی پامالی جیسے ناپ تول میں ڈنڈی مارنے،ظلم و زیادتی کر کے لوگوں کی جان ، مال اور آبرو کو نقصان پہنچانے جیسے مفاہیم کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں اور دوسری طرف یہ خدا کے حقوق کی پامالی پر مبنی ایک ناحق اور غیر مطلوب رویے کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

اس ضمن کی چوتھی اہم بات یہ ہے کہ عدل اور ظلم مل کر ادائے حقوق کے ایک مکمل تصور کو واضح کرتے ہیں جس میں خالق اور مخلوق کے معاملے میں درست رویے کی ایک مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے۔البتہ ادائے حقوق کے اس تصور میں جب مخلوق کے حقوق اور خاص کر ان کے اطلاقی اور عملی پہلوؤں پر توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے تو قرآن مجید زیادہ تر عدل یا اس کے ہم معنی الفاظ کو بیان کرتا ہے گرچہ اس کے متضاد کے طور پر ظلم یا اس کے ہم معنی الفاظ کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔لیکن خالق کے حقوق کی پامالی کے ضمن میں قرآن مجید میں زیادہ تر ظلم اور اس کے ہم معنی الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے۔

ظلم: خدا کے حقوق کی پامالی

قرآن مجید نے ظلم اور اس طرح کے دیگر ہم معنی الفاظ کو اصلاً خدا کے حوالے سے اور اس کے حقوق کی پامالی کے ضمن میں استعمال کیا ہے۔قرآن مجید نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ خدا کو ایک ماننا خدا کا حق ہے اور ایک انسان شرک کر کے خدا کے اس بنیادی حق کی پامالی کا مرتکب ہوتا ہے۔اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری، اس کے مقابلے میں سرکشی، ضد و ہٹ دھرمی کے رویوں کو بھی بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔نیز آیات الٰہی کی تکذیب، ان سے اعراض، خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے ،خدا کی نشانیوں سے انکار، اپنی طرف سے خدا پر جھوٹ گھڑنے اور افتریٰ علی اللہ جیسے سنگین جرائم کو بیان کرنے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔

تاہم قرآن مجید میں ظلم اور دیگر ہم معنی اصطلاحات کا سب سے زیادہ استعمال خدا کی

نافرمانی کرنے اور اس کی حدود کو پامال کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔جس طرح کفروشرک، سرکشی وتکذیب حق، آیات الٰہی سے اعراض وافتری علی اللہ میں سے ہر چیز خدا کے حقوق کی پامالی ہے، اسی طرح خدا کی نافرمانی کرنا، اس کی شریعت اور حدود سے تجاوز کرنا اور اس کے احکام کو چھوڑ کر اپنی مرضی کے فیصلے کرنا بھی خدا کے حقوق کی سخت پامالی ہے۔قرآن مجید نے اس رویے کو ظلم نفس یعنی اپنے اوپر ظلم کرنے سے تعبیر کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص خدا کی نافرمانی کرتا اور اس کی حدود کو پامال کرتا ہے تو باعتبار نتیجہ وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بلند ہیں کہ انھیں کسی کی اطاعت یا سرکشی سے کوئی فرق پڑے۔دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری اور حدود کی پاسداری کا جو راستہ مقرر کیا ہے، اس کا نفع دنیا اور آخرت دونوں میں انسانوں ہی کے لیے ہے۔جس وقت وہ ان حدود کو پامال کرتے اور رب کی نافرمانی کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت دونوں میں اپنے لیے ہی خرابی پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔

ظالموں کا انجام

قرآن مجید نے ظلم پر مبنی اس رویے کا جو انجام بیان کیا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں کے پہلو سے انتہائی سخت اور عبرتناک ہے۔گرچہ اللہ تعالیٰ کے متعلق قرآن نے بار بار یہ بات دہرائی ہے کہ وہ بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم کرنے والے نہیں ہیں، مگر یہ ظلم اپنی ذات میں اتنا بڑا جرم ہے کہ ایک ظالم کا آخری ٹھکانہ جہنم ہی بنے گا۔اللہ تعالیٰ نے جہنم کی وعید اصلاً ظلم و سرکشی پر مبنی اسی رویے پر دی ہے۔قرآن مجید مختلف اسالیب سے یہ بات بار بار واضح کرتا ہے کہ جہنم کا بدترین ٹھکانہ اور اس کے دردناک عذاب دراصل ظالموں کے لیے ہی ہیں۔

یہ تو آخرت کا معاملہ ہے، مگر دنیا کے حوالے سے بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے ظلم پر مبنی اس رویے کی شناعت کو واضح کیا ہے۔جن قوموں پر خدا کا عذاب آیا اور ان کی جڑ کاٹ دی گئی اللہ تعالیٰ نے ان کو ظالم قرار دیا ہے۔قرآن مجید یہ واضح کرتا ہے کہ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتے۔وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتے۔وہ بار بار تنبیہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے

ہرگز بے خبرنہیں ہیں بلکہ اللہ کا علم ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اس وعید کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس کے ظلم کے باوجود ڈھیل مل رہی ہے تو اسے ہرگز نچنت نہیں ہونا چاہیے۔اس دنیا میں امہال کا ایک قانون جاری ہے اور جیسے ہی مہلت کا یہ وقت ختم ہوگا ظالم خدا کے غضب کا شکار ہو جائیں گے۔اور اس وقت یہ ظالم خدا کے مقابلے میں اپنا کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ظالم خدا کی لعنت کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لیے اس کی رحمت سے دور ہو جائیں گے۔

قرآنی بیانات

’’یہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں، تم خدا کو اُس سے ہرگز غافل نہ سمجھو۔وہ اِنھیں صرف اُس دن کے لیے ٹال رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔‘‘،(ابراہیم 42:14)

’’اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کریں گے اور اُس کی ٹھہرائی ہوئی حدوں سے آگے بڑھیں گے، اُنھیں وہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اُن کے لیے رسوا کر دینے والی سزا ہے۔‘‘،(النساء 14:4)

’’ایمان والو، اللہ کچھ ایسے شکار کے ذریعے سے تمھیں ضرور آزمائش میں ڈالے گا جو تمھارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہوگا تاکہ اللہ دیکھ لے کہ (تم میں سے) کون بن دیکھے اُس سے ڈرتا ہے (اور کون نہیں ڈرتا)۔ پھر جس نے اِس تنبیہ کے بعد بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے حدود سے تجاوز کیا، اُس کے لیے ایک دردناک سزا ہے۔‘‘،(المائدہ 94:5)

’’تباہی ہے اُن کے لیے ایک دردناک دن کے عذاب کی جنھوں نے (خدا کے شریک ٹھہرا کر) اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔‘‘،(الزخرف 65:43)

’’اور حقیقت یہ ہے کہ ظالموں کو اللہ کبھی ہدایت نہیں دیتا۔‘‘،(البقرہ 258:2)

’’اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کا (اللہ کے ہاں) کوئی مددگار نہ ہوگا۔‘‘،(البقرہ 270:2)

’’اور حقیقت یہ ہے کہ ظالموں کو اللہ ہرگز دوست نہیں رکھتا۔‘‘،(ال عمران 57:3)

’’اور اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کے لیے کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔‘‘،(ال عمران 151:3)

’’جس دن اپنی جان پر ظلم کرنے والوں کو اُن کی معذرت کچھ بھی نفع نہ دے گی اور اُن پر لعنت

پڑے گی اور اُن کے لیے بہت برا ٹھکانا ہو گا۔''، (الغافر 52:40)
''(اپنے دائرۂ اختیار میں) تم بھی میزان میں خلل نہ ڈالو'، (الرحمان 55:8)
''سو اُن سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھیں یا اُس کی آیتوں کو جھٹلا دیں۔''، (الاعراف 33:7)
''بے شک، اللہ (اِس میں) عدل اور احسان اور قرابت مندوں کو دیتے رہنے کی ہدایت کرتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔''، (النحل 90:16)
''بے شک، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''، (الشوری 40:42)
''اُن لوگوں سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جن کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی گواہی ہو اور وہ اُسے چھپائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ اُن چیزوں سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔''، (البقرہ 140:2)
''الزام تو اُنھی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں بغیر کسی حق کے سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''، (الشوری 42:42)
''اور تیرا پروردگار اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''، (فصلت 46:41)
''جو مظلومانہ قتل کیا جائے، اُس کے ولی کو ہم نے اختیار دے دیا ہے۔ سو وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے، اِس لیے کہ اُس کی مدد کی گئی ہے۔''، (اسراء 33:17)
''نہ تم کسی پر ظلم کرو گے، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔''، (البقرہ 279:2)
''داؤد نے کہا: اِس نے تمھاری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا مطالبہ کر کے یقیناً تم پر ظلم کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ معاملے کے اکثر شریک اِسی طرح ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔''، (ص 24:38)
''جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔''، (النساء 10:4)
''اور اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو (حج کی راہ روکنے کے لیے) تم سے لڑیں اور (اِس میں) کوئی زیادتی نہ کرو۔ بے شک، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''،

(البقرہ190:2)

''ماہِ حرام کا بدلہ ماہِ حرام ہے اور اِسی طرح دوسری حرمتوں میں بھی بدلے ہیں۔ لہٰذا جو تم پر زیادتی کریں، اُن کو اپنے اوپر اِس زیادتی کے برابر ہی جواب دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان لو کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے جو اُس کے حدود کی پابندی کرتے ہیں۔''، (البقرہ194:2)

''پھر جب وہ اُنھیں نجات دے دیتا ہے تو فوراً ہی بغیر کسی حق کے زمین میں سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو، تمھاری سرکشی کا وبال تمھی پر آنے والا ہے۔ دنیا کی زندگی کا نفع اٹھالو، پھر تم کو پلٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے، اُس وقت ہم تمھیں بتا دیں گے جو کچھ تم کر رہے تھے۔''، (یونس23:10)

'' جو اللہ کے حدود سے آگے بڑھتے ہیں، وہی ظالم ہیں۔''، (البقرہ229:2)

''جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے، وہ یاد رکھیں کہ اُنھوں نے اپنی ہی جان پر ظلم ڈھایا ہے۔''، (طلاق1:65)

''اور تمھیں ہر چیز میں سے، جو تم نے مانگی، عطا فرمایا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکتے۔ (اِس پر بھی خدا کے شریک ٹھیراتے ہو)؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور بڑا ناشکرا ہے۔''، (ابراہیم34:14)

''اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔''، (المائدہ45:5)

''ثمود کو ہم نے اونٹنی (اِسی طرح کی) ایک آنکھیں کھول دینے والی نشانی کے طور پر دی تھی، لیکن اُنھوں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اُس کی تکذیب کر دی۔''، (اسراء59:17)

''یاد کرو، جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بیٹا، اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھیرانا۔ حقیقت یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''، (لقمان31:31)

''اُس وقت ہر شخص کے پاس جس نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، اگر وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو (اپنے آپ کو بچانے کے لیے) وہ اُس کو فدیے میں دینا چاہے گا۔ (اُس وقت) یہ دل ہی دل میں پچھتائیں گے، جب عذاب کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں گے اور اِن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اِن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔''، (یونس54:10)

پروین سلطانہ حنا

وجود کو زندگی کا حق دو

چمکتا سورج، مچلتی لہریں، دریچۂ گُل، ہوا کی آہٹ
جھلستی رُت میں قرارِ جاں ہے

صبا کے ہاتھوں کا لمسِ راحت

حسین پھولوں سے مہکا آنگن

اور ان کی خوش رنگ پتیّاں بھی

یہ ساری چیزیں

خود اپنے ہونے کی ہیں گواہی

بس اپنے ہونے کے زعم میں زندہ رہنے والو!
کچل نہ دینا

یہ شبنمی گھاس کی روؤں کو

مسل نہ دینا

حسین پھولوں کی پتّیوں کو

بجھا نہ دینا

ستارۂ جاں میں روشنی کی علامتوں کو

تمہارے قرب وجوار میں زندہ رہنے والے

وجود کو زندگی کا حق ہے

ابو یحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

ایک دعوتی و اصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان و اخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہے۔

سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں	
Easy Paisa	Muhammad Shafiq 0334-3799503 CNIC # 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi
Account	Title of Account: Monthly Inzaar A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تاکہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جاسکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0334-3799503 , 0345-8206011, 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے
2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے
3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

Monthly
INZAAR

FEB 2020
Vol. 08, No. 02
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi

ابویحییٰ کی دیگر کتابیں

”ملاقات“

اہم علمی، اصلاحی اجتماعی معاملات پر ابویحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

”جب زندگی شروع ہوگی“

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

”قسم اُس وقت کی“

ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ”جب زندگی شروع ہوگی“ کا دوسرا حصہ

“When Life Begins”

English Translation of Abu Yahya Famous book

Jab ZindagiShuruHo Gee

”کھول آنکھ زمیں دیکھ“

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

”بس یہی دل“

دل کو چھو لینے والے مضامین ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

”تیسری روشنی“

نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

”حدیثِ دل“

موثر انداز میں لکھے گئے علمی، فکری اور تذکیری مضامین کا مجموعہ

”قرآن کا مطلوب انسان“

قرآن کے الفاظ اور احادیث کی روشنی میں جانیے اللہ ہم سے کیا چاہتے ہیں